بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰـذَاالْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ
وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا o(بنی اسرائیل 88:17)

اجماع امت
کی شرعی حیثیت

☆

رحمت اللہ طارق

☆

سر سید میموریل لائبریری، باغبانپورہ، لاہور

”ان پر واضح کردو کہ اگر جن وانس اکٹھے ہو جائیں کہ اس قرآن جیسا قرآن بنائیں تو اس کی مثل نہ لا سکیں گے، جو ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں۔“ (بنی اسرائیل 88:17)

جملہ حقوق محفوظ

اجماع امت

کی شرعی حیثیت

رحمت اللہ طارق

Jan.2010

PDF Edition(57 pages)

ادارہ ادبیات اسلامیہ ملتان

احمد کامران خان مگسی +92 0300 9846041

سر سید رح میموریل لائبریری، باغبانپورہ، لاہور

sirsyedmemlib@hotmail.com +92 0300 4280241

نبی رحمت، خاتم الانبیاء، محمد رسول اللہ

کے نام

جن کی ذات ستودہ صفات، اجماع امت سے بے نیاز تھی!

صلی اللہ علیہ وسلم صلی اللہ علیہ وسلم

اور

پہلے خَلِیْفَةُ الرَّسُوْل اَلرَّاشِد اَلْمَھْدِی ابوبکر صدیق

کے نام

جنہوں نے فتنۂ رِدَّة میں، اجماع صحابہ، اجماع امت

کے خلاف درست فیصلہ فرمایا۔

رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔

اور

معذرت!

اُن دورخ محدثین، فقہاء، مجتہدین، مشائخ اور ملالی حضرات سے،
جو تحریک تحریف فی الاسلام کے لیے،
کتاب اللہ کے مقابل،
روایات، اور اجماع امت کے راستے
امت مسلمہ کی سوچ، فہم اور عمل میں بگاڑ،
اور معاشرہ میں مشکلات اور اندھیرے پیدا کرتے رہے۔

.....الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ o

وہ لوگ جنہوں نے اللہ کی نعمت (قرآن) کو کفر سے بدل دیا،
اور قوم کو ایسے مقام پر لے آئے،
جہاں خسارا، تباہی اور کوئی پوچھنے والا نہیں۔

(ابرٰھیم 28:14)

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ
يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ج اِنَّکَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○

Allama Rehmatullah Tariq (1929-2003)

رحمت اللہ طارق

1929 - 2003

اسلام میں **عقل وشعور** کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ یہاں “بے شعور” مسلمان کے مقابل “باشعور” غیر مسلم کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے ——— شعور ——— انفرادی ہو خواہ اجتماعی، وہ اگر منفی راہ دکھلاتا ہے، تب بھی خطاب کے قابل اُسے ہی سمجھا گیا ہے۔ اس طرح عقل ماورائے محسوسات میں مؤثر نہ ہونے کے باوجود قابلِ خطاب ٹھہرائی گئی ہے۔ لیکن اس کے معنٰے یہ نہیں کہ وہ مکمل طور پر ترقی کی منازل طے کر چکی ہے۔ یہ **مقام تو صرف “وحی” کا ہے کہ وہ “مُرتَقِیْ” بھی ہے اور مجلّٰی بھی**۔ انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی عقل کی جلا کے لئے وحی سے کمک لیتا رہے اور جہاں وحی کی پالیسی موجود نہ ہو، وہ مختار کل ہے۔ بات کیا ہوئی کہ راہنمائی کے دو اہم اصول ہیں ——— عقل اور وحی ——— ان میں سے عقل ترقی پذیر ہے اور وحی ترقی یافتہ! لہٰذا اصول استدلال کی رُو سے اگر کہیں “تزاحم” اور کشاکش محسوس ہو تو **فوقیت “وحی”** ہی کو رہے گی۔

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ دیگر امتوں کی طرح ہمارے علمائے اُمت بھی “وحی” کو “ثانوی” حیثیت دے کر اپنے لگے بندھے اصول وضوابط کو پہلی سٹیج پر رکھنے کو عقیدہ بنائے ہوئے ہیں۔ جبکہ “فقہ اسلامی” کے اگر نام ہی پر نظر کی جائے تو اس سے بھی عقل کی اُونچائی اور فہم کی برتری واضح ہو جاتی ہے۔ ایسے میں ملت مسلمہ کے ان ہادیوں اور رہنماؤں کا “وحی قرآن” کو ثانوی درجے پر رکھنا دینی تاریخ کا ایک المیہ ہے۔ آج کسی بھی نئی صورت حال کے پیش آنے پر اگر کہیں قرآنی حل پیش کیا جاتا ہے، تو بلا تردّد “اجماعِ” اُمت کا حوالہ دے کر اسے مسترد کر دیا

جاتا ہے۔ حالانکہ اجماع نہ دین ہے اور نہ اس میں دین بننے کی صلاحیت ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا ہے کہ ''راہنمائی'' کے دیگر متعدد اصولوں کی طرح اس سے بھی راہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔

امام شوکانی (1834م) علماء کے متفقہ موقف کو جامع صورت دیتے ہوئے واضح کرتے ہیں:

وَاَمَّا فِی الْاِصْطِلَاحِ فَھُوَ اِتِّفَاقُ مُجْتَھِدِیْ اُمَّۃِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ
وَآلِہٖ وَسَلَّمَ بَعْدَ وَفَاتِہٖ فِیْ عَصْرٍ مِّنَ الْاِعْصَارِ عَلٰی اَمْرٍ مِّنَ الْاُمُوْرِ
وَالْمُرَادُ بِالْاِتِّفَاقِ الْاِشْتِرَاکُ اِمَّا فِی الْاِعْتِقَادِ اَوْ فِی الْقَوْلِ اَوْ فِی الْفِعْلِ

(اِرْشَادُ الْفُحُوْلُ، طبع سورابایا صوبہ جاوا سماٹرا، انڈونیشیا صفحہ 25/63 تا 27)

اجماع کے اصطلاحی معنٰے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد، آپؐ کی اُمت کے مجتہد اصحاب کا کسی بھی دور میں، کسی بھی معاملہ میں متفقہ رائے پیش کرنا۔ یہ رائے کسی عقیدے کی بابت ہو، خواہ قول اور فعل کے بارے میں، اس سے فرق نہیں پڑتا۔

امام شوکانی کا یہ شذرہ واضح کرتا ہے کہ مجتھدین کا ایسا اجماع صرف اسی دور کے مجتھدین ہی سے مربوط ہے۔ بعد کے دور والے چاہیں تو سابقہ اجماع کو قبول کریں، چاہیں تو نیا اجماع منعقد کرلیں، بلکہ ایک ہی دور میں جس طرح مختلف لوگوں اور قوموں کا کسی ایک کھانے پر متفق ہونا محال ہے، اسی طرح مشرق ومغرب کے علماء کو کسی ایک مقام پر متفق دکھلانا بھی محال ہے۔

تکمیلِ دین اور اجماعِ اُمت۔ لوگوں نے ذہنی تحفظات کی آڑ میں اپنے اختراعی قواعد وضوابط میں یہ بھی طے کرلیا ہے کہ ---- اجماعِ امت دین کا ایک اہم ماخذ ہے، اسکی نفی کرنے سے ایک اہم ماخذ کی نفی لازم آئے گی وغیرہ ---- یہ ایک نہایت ہی سطحی سوچ ہے! دین کی تکمیل ہو چکی ہے اسے فقہی اجتہادات، اجماع امت اور قیاس کے ذریعے اگر مکمل کرنے کی گنجائش ہوتی تو اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری ایام میں یہ وضاحت نہ کی جاتی کہ اب دین تکمیلی مراحل طے کر کے اپنی غایت پوری کر چکا ہے اور اللہ نے اس دین کا نام ''اسلام'' رکھ کر اپنی پسندیدگی کا اظہار فرما دیا ہے۔ (المائدہ 3:5)

اس طرح قرآن پاک نے خود ہی اجماع کی ''تکمیل دین'' ---- کی حیثیت کو مسترد کر دیا ہے۔ اب رہا فروعات اور نئے پیش آیندہ مسائل میں **اجتہاد** اور شعور وآگہی کو کام میں لا کر مسائل کا وقتی اور علاقائی سطح پر حل نکالنا تو یہ ملک وملت کے زندہ رہنے کا اشارہ ہے۔ جو ملت نئے چیلنجوں کا سامنا نہیں کرتی، ''مفید'' کو جذب اور ''نامفید'' کو مسترد کر دینے کی صلاحیت نہیں رکھتی، وہ مردہ ہے یا نیم جان، کہ نہ زندوں میں شمار ہو نہ مُردوں میں شامل۔ کیونکہ ''**اجتہاد**'' زندہ قوموں کا ہتھیار ہے، جو اُن کی بقا و دوام کی ضمانت فراہم کرتا ہے، اسے ختم کرنے والی قوم نہ اپنا دفاع کر سکتی ہے اور نہ کبھی صحیح راہ عمل تجویز کر پاتی ہے۔ نبوت تو ختم ہو سکتی تھی کہ آئندہ یہ کام وحی قرآن کی ضوء میں عقل و اجتہاد سے لیا جانا تھا لیکن اجتہاد کو بھی نبوت سمجھ کر اگر ختم کر ڈالا گیا تو پھر شعور اور اجتہاد سے آراستگی کا معاملہ ہمیشہ کے لئے کھٹائی میں پڑا رہ جائے گا۔

اجماع کی حُجّیت پر قرآنی دلائل! انسان کے اجتماعی شعور کی اہمیت ہر دور میں رہی ہے۔ اس سے انکار، ان بدیہیات سے انکار کے مترادف ہے جو اس ضمن میں واضح راہنمائی کرتی ہیں ۔ بات صرف اتنی ہے کہ اگر شعور ''وحی قرآن'' سے غذا حاصل کرتا ہے تو اسکی اہمیت دو چند ہو جاتی ہے۔ لیکن یہاں افتاد یہ ہے کہ حصول مقصد کے ذرائع کو ہمیشہ منزل مقصود ٹھیرایا جاتا رہا ہے، جس سے رفتہ رفتہ ہوا یہ کہ منزل اوجھل اور دور ہوتی چلی گئی اور '' ذرائع'' ہی اصل مقصود بنتے چلے گئے ۔ اس پر روایات اور تقلید نے یہ ستم ڈھایا کہ ـــــ امت کے رواجی ملانوں کو نبوت کے درجے پر فائز ٹھیرادیا، جس سے سچائی باطل کی دبیز تہوں میں دب کر رہ گئی ـــــ دیکھئے یہ لوگ کس بے رحمی سے علماء کی مفلوج سوچ کو وحی قرآن پر حاوی قرار دیتے اور اپنی ''برتری'' کا خود وحی ہی سے استدلال فرماتے ہیں۔

پہلی دلیل} ارشاد ہے:

''وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِمَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰی وَیَتَّبِعْ غَیْرَ
سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا

(النسآء4:115)

یہاں '' مؤمنین'' کے راستہ کو اختیار نہ کرنے کی وعید دخول جہنم ٹھیرائی گئی ہے۔

لیکن یہ استدلال مفلوج ہے ـــــ اس سے اجماع کا استنباط نہیں ہوسکتا۔ اس میں مؤمنین نے جو راستہ اختیار کیا ہے اس کی نشاندہی کی گئی ہے ـــــ یعنی انہوں نے رسولؐ پر ایمان لانے

اور آپؐ کی مخالفت میں کفر کا ساتھ نہ دینے کا متعین راستہ اختیار کیا ہے۔ اب کوئی بھی انسان مؤمن ہو خواہ کافر ——— اگر اس بات میں ان کی مخالفت کرے گا تو اس کا انجام ہلاکتوں کی جہنم میں دخول ہوگا اور یہ مفہوم کسی طرح بھی اجماع کی حُجّیت کا سہارا نہیں بن سکتا۔

دوسری دلیل} قرآن پاک میں ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْف
وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ...... (آلِ عمران 3:110)

”تم کو بہترین امت بنایا گیا ہے کہ تم لوگوں میں اچھائی کو رائج کرو
اور برائی کو روکو۔“

وجہ استدلال میں بتلایا جاتا ہے کہ

——— اَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ اور نَهْيِ عَنِ الْمُنْكَر ——— نظامِ اسلامی کے دو روشن ماٹو (motto) ہیں، جو دلیل فراہم کرتے ہیں کہ ان کی مخالفت سے اَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ کی مخالفت اور انکی مزاحمت ——— میں نَهْيِ عَنِ الْمُنْكَر کی مزاحمت لازم آتی ہے، جبکہ ان کے اجتماعی فیصلوں کا اتباع لازمی ہے۔

تبصرہ: آیت کا لہجہ ----- خبریہ ہے جس سے یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ مؤمنین یہ کام کرتے ہیں، لیکن اتنا کہنے سے انکی کسی بات کے شرعی حُجّت ہونے کا استدلال نہیں ہو سکتا ----- اور جب تک کسی بات کو شرعی حجت تسلیم نہ کیا جائے، اجماع کا ثبوت فراہم نہیں ہوسکتا۔ ان کی بات صرف اس حد تک قابلِ پذیرائی ہے کہ انہوں نے جس بات

کے ’’معروف‘‘ ہونے کی خبر دی ہے، وہ معروف ہی ہوگی اور جسے منکر ٹھیرایا ہے وہ منکر ہی ہوگی۔ اس معروف و منکر کا تعین بھی قرآن ہی کا وظیفہ بن جاتا ہے۔ یہاں اجماع کی حیثیت صفر کے برابر ہوجاتی ہے۔

امام شوکانی لکھتے ہیں:

> **اَمَّااَنَّہٗ دَلِیۡلٌ بِنَفۡسِہٖ فَلَیۡسَ فِیۡ ھٰذِہِ الۡآیَۃِ مَا یَدُلُّ عَلٰی ذَالِکَ ثُمَّ الظَّاھِرُ اَنَّ الۡمُرَادَ مِنَ الۡاُمَّۃِ ھٰذِہِ الۡاُمَّۃُ بِاَسۡرِھَا لَا اَھۡلُ عَصۡرٍ مِّنَ الۡعُصُوۡرِ۔** (ارشاد الفحول صفحہ 10/69 تا 12)
>
> یہ کہنا کہ زیر بحث آیت ہی اجماع کی دلیل ہے، اپنے اندر کچھ وزن نہیں رکھتا۔ خاص کر آیۃ کے ظاہر الفاظ سے محسوس ہوتا ہے کہ امت سے تمام امت ہی مراد ہے۔ یہ نہیں کہ کسی بھی دور کی اُمت اور وہ بھی خاص کر مجتہدین کا گروہ مطلوب ہے؟

اس اقتباس کے تناظر میں حضرت معاذ بن جبلؓ (639م) کی وضاحت سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے کہ انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یمن کا گورنر بنا کر بھیجنا چاہا تو لوگوں کے درمیان متنازعات کو نمٹانے کا طریقہ دریافت فرمایا۔ معاذ نے عرض کیا کہ میں کتاب و سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا، اس میں کامیابی نہ ہوئی تو اپنی صوابدید سے کام لوں گا——ثُمَّ اجۡتَھِدُ بِرَاۡیٍ——

(طبقات ابن سعد جلد 120/2، الاصابہ ت8039، اسد الغابہ طبع مصر جلد 376/4)

اس طرح سیدنا معاذ ؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور فیصلوں کے لئے کتاب وسنت کا حوالہ تو دیا، لیکن ''اجماع'' کا ذکر تک نہیں فرمایا ـــــ بنا بریں امام شوکانی لکھتے ہیں:

اَمَّا... قِصَّۃُ مَعَاذٍ فَاِنَّہٗ لَمْ یَجْرِ فِیْھَا ذِکْرُ الْاِجْمَاعِ وَلَوْ کَانَ مُدْرَکًا شَرْعِیًا لَمَا جَازَ الْاِخْلَالُ بِذِکْرِہٖ عِنْدَ اشْتِدَادِ الْحَاجَۃِ اِلَیْہِ۔

(ارشاد الفحول صفحہ نمبر 29/67 تا 30)

''معاذ ؓ نے اپنے الفاظ میں اجماع کا ذکر ہی نہیں کیا۔ جبکہ اجماع اگر کسی طرح کی شرعی ضرورت ہوتا ـــــ یا شرعی دلیل کی حیثیت رکھتا تو ناممکن تھا کہ شدید ضرورت کے باوصف اسکا ذکر نہ کیا جاتا۔''

یہ اور اس طرح کی دیگر وجوہات کو سامنے رکھ کر اجماع کی مجموعی پوزیشن کو تسلیم شدہ حقیقت کا رنگ نہیں دیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

وَالْعَجَبُ مِنَ الْفُقَھَاءِ اَنَّھُمْ اَثْبَتُوا الْاِجْمَاعَ بِعُمُوْمَاتِ الْآیَاتِ وَالْاَخْبَارِ وَاجْمَعُوْا عَلٰی اَنَّ الْمُنْکِرَ لِمَاتَدُلَّ عَلَیْہِ الْعُمُوْمَاتِ لَا یَکْفُرُ وَلَا یَفْسِقُ اِذَا کَانَ ذٰلِکَ الْاِنْکَارُ لِتَاْوِیْلٍ.......

''تعجب تو علماء کے اس وطیرے پر ہے کہ وہ آیات واحادیث کے عام لہجے سے ''اجماع'' کا خصوصی استنباط کرتے ہیں جبکہ انہی کا اسپر بھی اجماع ہے کہ کوئی بھی منکر ـــــ جب آیات واحادیث کے عموم سے

معلوم ہوتا ہو تو اسے تسلیم نہ کرنیوالے کی نہ تکفیر لازم آئے گی، اور نہ ہی تفسیق، خاص کر جب کسی انکار کنندہ نے کسی تاویل کا سہارا لے رکھا ہو۔"

(ارشاد الفحول صفحہ نمبر 23/67 تا 24)

ان ہی خامیوں اور کمزوریوں کو ملحوظ رکھ کر امام شوکانی لکھتے ہیں:

وَلَا يَخْفَاکَ اَنَّ الْآيَةَ لَا دَلَالَةُ لَهَا عَلٰى مَحِلِّ النَّزَاعِ اَلْبَتَّة فَاِنَّ اِتِّصَافَهُمْ بِکَوْنِهِمْ يَامُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ لَا يَسْتَلْزِمُ اَنْ يَکُوْنَ قَوْلُهُمْ حُجَّةً شَرْعِيَّةً تَصِيْرُ دِيْنًا ثَابِتًا عَلٰى کُلِ الْاُمَّةِ۔

معلوم ہوا کہ آیہ (آل عمران 110:3) میں ایسی کوئی دلیل نہیں ہے جو اجماع کی حجیت کا کام دے سکے کیونکہ کسی کے اَمَرٌ بالْمَعْرُوْفِ اور نَهْيِ عَنِ الْمُنْکَر ـــــ پر کاربند ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کی بات ایسی شرعی حجت کی آئینہ دار ہوسکتی ہے، جو لامحالہ پوری امت کے لئے ثابت شدہ "دین" کی حیثیت رکھتی ہو۔ (ارشاد الفحول صفحہ نمبر 6/69 تا 7)

تیسری دلیل} قرآن پاک میں ہے:

وَکَذَالِکَ جَعَلْنَا کُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ........

(البقرة 143:2)

"اور ہم نے اسی لئے تم کو میانہ روی کا حامل بنایا کہ آگے چل کر تم ہی لوگوں کے اچھے برے کی گواہی دے سکو۔"

وجہ استدلال میں کہا جاتا ہے کہ یہ امت افراط وتفریط کا راستہ چھوڑ کر درمیانی راہ پر چلنے والی ہے اور یہ وصف ظاہر کرتا ہے کہ ان سے خطا اور لغزش سرزد نہیں ہوسکتی اور جس سے خطا کا صدور نہ ہو اُن کی بات سند کی حیثیت رکھتی ہے۔

تبصرہ: یہاں مسلمانوں کو جس وصف سے متصف کیا گیا ہے، اس سے ان کے اچھے کردار کا پتہ چل سکتا ہے، لیکن اچھا کردار کسی طرح کی عصمت کو مستلزم نہیں ہے۔ احتمال ہے کہ وہ کسی بھی معاملہ میں فکری لغزش کھا جائیں اور انکی مزعومہ عصمت کا آبگینہ چور چور ہو۔ خاص کر ”عصمت“ صرف انبیاء کے لئے خاص ہے، اسے ہی اگر عام کیا جائے تو انبیاء کا امتیازی اعزاز اور اختصاص ختم ہو جاتا ہے ـــــ علاوہ ازیں مسلمانوں کو ”شُھَدَآءَ “ کا تمغہ عطا کیا گیا ہے۔ ادھر انہی ”شُھَـــدَآءَ“ کی بابت گروہِ مفسرین نے یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ ایسی شہادت یومِ آخرت میں مطلوب ہے۔ پس جب ”آخرت“ کا احتمال بھی دریچۂ خیال سے جھانک رہا ہے تو ظاہر ہے کہ آخرت میں کوئی اجماع نہ کارآمد ہوگا اور نہ سودمند! ـــــ وہاں کیا صورتحال ہوگی؟ کس قوم کی زبان استعمال ہوگی؟ کن ضوابط اور اصولوں کو معرضِ استدلال میں پیش کیا جائے گا؟ یہ تمام امور ـــــ امرغیب سے مربوط ہو جاتے ہیں ـــــ لیکن ہمیں تو اپنے دور کیلئے اور اسی دنیا میں راہنمائی چاہئے، خواہ بفرضِ محال ایسی راہنمائی کیلئے اجماع ہی کا سہارا کیوں نہ لیا جائے ـــــ ہم اگر اپنے فیصلے آخرت پر اٹھا رکھیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آیہ کریمہ ہم اہل دنیا کی مشکل کُشائی اور راہنمائی سے قاصر ہے ـــــ سیدھی سی بات ہے کہ اسکا ”اجماع“ سے نہ تعلق ہے اور نہ واسطہ!

امام شوکانی جو خود بھی بڑے محدث، بڑے مفسر، بڑے فقیہ اور درجہَ اجتہاد پر فائز انسان تھے، فقہا اور اہل حدیثوں کے اس طرح کے استدلالات سے بڑے نالاں تھے فرماتے ہیں کہ:

”عَلٰی کُلِّ حَالٍ فَلَیْسَ فِی الْاٰیَةِ دَلَالَةٌ عَلٰی مَحَلِّ النَّزَاعِ اَصْلًا—فَاِنَّ ثُبُوْت کَوْنِ اَهْلِ الْاِجْمَاعِ بِمَجْمُوْعِهِمْ عُدُوْلًا— لَایَسْتَلْزِمُ اَنْ یَکُوْن قَوْلُهُمْ حُجَّةً شَرْعِیَّةً نَعُمُّ بِهَاالْبَلْوٰی فَاِنَّ ذَالِکَ اَمْرٌ اِلٰی شَارِعٍ لَا—اِلٰی غَیْرِہٖ—وَغَایَةٌ مَافِی الْاٰیَةِ اَنْ یَکُوْنَ قَوْلُهُمْ مَقْبُوْلًا اِذَا اَخْبَرُوْنَا عَنْ شَیْءٍ مِنَ الْاَشْیَاءِ—وَاَمَّا کَوْنُ اِتِّفَاقِهِمْ عَلٰی اَمْرٍ دِیْنِیْ یَصِیْرُ دِیْنًا ثَابِتًا عَلَیْهِمْ وَعَلٰی مَنْ بَعْدَهُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ فَلَیْسَ فِی الْاٰیَةِ مَایَدُلُّ عَلٰی هٰذَا—وَلَاهِیَ مَسُوْقَةٌ لِّهٰذَا الْمَعْنٰی وَلَاتَقْتَضِیْهِ بِمُطَابَقَةٍ وَلَا تَضَمُّنٍ وَلَا الْتِزَامٍ۔

(ارشاد الفحول صفحہ نمبر 33/68 تا 37)

جوبات بھی ہو آیہ زیر بحث میں اجماع سے بالکل بحث نہیں کی گئی۔ اور یہ بات کہ اہل اجماع کے ”عادل“ ہونے سے انکی بات کا وزن بڑھ جاتا ہے، درست ہو سکتی ہے۔ لیکن اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ شریعت کے کسی ایسے معاملہ میں، جو معاشرے کے لئے امتحان کا موجب بنا ہوا ہے، ان کی بات سند اور شرعی حجت کے طور پر تسلیم کر لی جائے؟ یہ حق صرف اور صرف شارع علیہ السلام کا ہے، کسی اور کا نہیں۔ اور آیہ زیر بحث کے تناظر میں زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ اہل اجماع کی

> رائے کی اس حد تک پذیرائی ہو سکتی ہے اگر وہ کسی غیر دینی امر کی بابت ہو۔ لیکن ان کی متفقہ رائے کو کسی دینی امر میں اس اساس پر تسلیم کرنا کہ اس سے دین کا اثبات ہوتا، اور ان پر یا ان کے بعد آنے والوں پر اطاعت واجب ہو جاتی ہو تو اس خیال اور اس نظریہ کا استدلال بالکل غلط اور اس آیت سے بہ تکلف کچھ اخذ کرنے کے مترادف ہے۔ خاص کر یہ آیت اجماع کے موضوع سے نہ بحث کرتی ہے اور نہ ہی اس غرض کے لئے نازل ہوئی ہے، نہ مُطَابَقَةً نہ تَضَمُّنًا اور نہ اِلْتِزَامًا۔

یہ تھیں وہ آیات جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اجماع کی حجّیت کی اساس فراہم کرتی ہیں۔ لیکن آپ نے ملاحظہ فرما لیا کہ ان میں سے کوئی بھی آیت نہ اجماع امت سے بحث کرتی ہے نہ متبادل شریعت کے طور پر اجماع کی اہمیت واضح کرنے کیلئے نازل ہوئی ہے؟ اور نہ ہی اجماع کو نبوت کے مترادف بنانے کی اجازت دیتی ہے۔ تاہم یہاں ایسے بھی ''بے شعورے'' مُلّاں موجود ہیں جو اپنے فتاویٰ کو وحی قرآن اور نبوتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر ترجیح دینے سے نہیں شرماتے۔ ایسے اندھوں کے ہاتھ میں اگر اجماع کی ''چھڑی'' تھما دی جائے تو کسی کی نہ آنکھ سلامت رہے گی اور نہ سر ——— یہ چشم نیم باز لوگ فتویٰ اور اجماع میں کوئی امتیاز برتنے پر آمادہ نہیں۔ امام محمد عبدہٗ (1905م) جو خود بھی طبقہ اہلِ فتویٰ میں سے تھے بلکہ منصب اجتہاد پر بھی فائز تھے۔ انہیں ہمیشہ یہ شکوہ رہا ہے کہ علمائے اسلام آج تک نہ تو اجماع کی مبادیات سے آگاہ ہو سکے ہیں اور نہ ہی انہیں شعور ہے کہ اس کے منابع اور ماخذ کیا ہوتے ہیں؟ (تفسیر المنار 322/8) 1

---

1 (زیادہ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو امام عبدہ کی تفسیر جزو عم مطبوعہ مطابع الشعب، قاہرہ صفحہ نمبر 12/107 تا 17)

اور اس موضوع کی اسی حساسیت کا امام شوکانی نے بھی احساس کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

وَالْمُنْصِفُ يُعْلَمُ اَنَّهٗ لَا خَبْرَلَهٗ مِنَ الْاِجْمَاعِ اِلَّا مَا يَجِدُهٗ مَكْتُوْبًا فِى الْكُتُبِ

(ارشاد الفحول صفحہ نمبر 65)

اہلِ انصاف جانتے ہیں کہ یہ لوگ جسے ''اجماع'' کہتے ہیں، اس کی ابجد تک سے نا آشنا ہیں۔ یہ تو کتابوں میں جب ''اجماع'' کو لکھا ہوا پاتے ہیں تو حقیقت معلوم کیے بغیر اسے ہی اجماع کہہ ڈالتے ہیں۔

کیا اجماع میں دین بننے کی صلاحیت ہے؟

تمام اصولی اس بات پر متفق ہیں کہ اجماع میں دین بننے کی صلاحیت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ دین کے چار ماخذ ہیں ان میں سے کسی ایک کا انکار ''اصل دین'' کے انکار کے برابر ہے۔ (i) کتاب، (ii) سنت، (iii) اجماع اُمت اور (iv) قیاس

قیاس کے مجموعے کا نام اجماعِ اُمت ہے۔ آپ فقہیات کا مطالعہ کیجئے تو ہزاروں لاکھوں مسائل اجماع امت اور قیاس ہی سے ''کشید'' کیے ہوئے ملیں گے اور دین ہی کی حیثیت سے معمول بہا نظر آئیں گے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امتِ مسلمہ بحیثیت مجموعی گوسالۂ اجماع و قیاس کی سامری بن چکی ہے، لیکن وہ سوچیں کہ اجماع کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حین حیات میں نہ وجود تھا اور نہ ہی نبوت کی موجودگی میں اس کا انعقاد ممکن تھا۔ یہ بعد کی تخلیق ہے، جبکہ ملت اسلامیہ از ابوبکرؓ ـــــ تا ایندم ـــــ کا عقیدہ یہ چلا آرہا ہے اور خود قرآن کریم کی گواہی بھی یہی ہے کہ دین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے آخری

چند مہینوں میں مکمل کردیا گیا تھا۔ بلکہ اس کے بعد آپکی وفات تک کوئی بھی نئی آیت اور نیا حکم نازل نہیں ہوا، جس سے یارانِ پیغمبرؐ نے محسوس کرلیا کہ اب آپؐ اس حیات مستعار سے رخصت ہونے والے ہیں۔ ایسے میں جب کہ تکمیل دین کا واحد سہارا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہی نہیں رہا تو بعد میں نئے معیارات کو ایزاد کر کے دین کی حیثیت سے مسلط کرنے کا جواز کیا بن جاتا ہے۔ کیا دین کے نام پر قیامت تک ''ایزادات'' کو دین کی تکمیل ہی کے اسباب میں شمار کیا جاتا رہیگا؟

کیا اتنی بڑی تہمت اس دین پر جو اپنی غرض وغایت پوری کر کے ارتقاء اور تکمیل کی بلندیوں پر پہنچ پایا ہے، اسے ہی ''غیر نبی'' لوگوں کے اجماع سے نامکمل سمجھ کر مکمل کیا جاتا رہے گا؟ نہیں یارو! ایسا نہیں ہوگا۔ یہاں تنہا معتزلہ کی بات نہیں، امام شوکانی، مفتی محمد عبدہٗ اور علامہ فناوی (1430 م) جیسے قد آور اصحابِ علم اور دیگر اصولیوں نے بھی ''اجماع'' کو دین تسلیم ہی نہیں کیا—— کہ دین کی تکمیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہو چکی ہے اور تکمیل کے تمام رخنے بند۔

کیا اجماع کیلئے مستند ہونا ضروری ہے؟

امام شوکانی لکھتے ہیں:

....اِخْتَلَفُوْا فِیْمَا یَنْعَقِدُ بِہِ الْاِجْمَاعُ فَقَالَ جَمَاعَۃٌ لَا بُدَّ لَہٗ مِنْ مُّسْتَنَدٍ
لِاَنَّ اَھْلَ الْاِجْمَاعِ لَیْسَ لَھُمُ الْاِسْتِقْلَالُ بِاِثْبَاتِ الْاَحْکَامِ
فَوَجَبَ اَنْ یَکُوْنَ مِنْ مُّسْتَنَدٍ وَّلَا نَّہٗ لَوْ اِنْعَقَدَ عَنْ غَیْرِ مُسْتَنَدٍ

لَاِقْتِضٰی اِثْبَاتَ نَوْعٍ (مِنَ الشَّرْعِ) بَعْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ هُوَ بَاطِلٌ (ارشاد الفحول صفحہ نمبر 70)

اجماع کے ذریعے ثابت شدہ حکم کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کے لئے اوپر سے کسی "سند" کا ہونا ضروری ہے — کیونکہ اہل اجماع کی یہ حیثیت نہیں ہے کہ وہ شرعی احکام صادر کرنے کیلئے "ہائی اتھارٹی" رکھتے ہوں۔ ایسے میں بے سند اجماع کو تسلیم کرنے کے معنی ہونگے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد شریعت سازی کے دروازے کو کھلا رکھنے کے، جو سراسر کفر اور سراسر باطل ہے۔

بات کیا ہوئی کہ اجماع بھی وہی قابلِ پذیرائی ہے جو

(i) کسی دینی معاملہ میں نہ ہو کہ دین تو مکمل ہو چکا ہے۔ اور

(ii) جو وحی الٰہی کی عمومی پالیسی سے کشید کیا گیا ہو۔

لیکن اس سے اجتہاد کی نفی اخذ کرنا غلطی ہے۔ اجتہاد تو اندر کی روشنی ہے جس سے شعور و آگہی جلا پاتے ہیں اور عقل و دانش پروان چڑھتے ہیں۔ یہ بات ہو رہی ہے اجماع امت کی دینی حیثیت کی جو کہ کچھ بھی نہیں ہے کیونکہ سب کو تسلیم ہے کہ دین مکمل ہو چکا ہے۔

اجماع میں صحابہؓ کا رول۔ یہ تسلیم شدہ ہے کہ اجماع کی دینی حیثیت کچھ بھی نہیں ہے۔ لیکن اس کا اگر کسی دینی معاملے سے تعلق نہ ہو تو اس ضمن میں کن لوگوں کا اجماع وقیع اور نا قابلِ تردید ہے؟ تو سبھی اہلِ علم کہتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کا اجماع

زیادہ وزنی اور زیادہ قابلِ اعتبار ہے۔ بلکہ داؤد ظاہری (888م) تو صرف ایسے ہی اجماع کو تسلیم کرتے ہیں جو صحابہ کی مجلس سے مشتہر ہوا ہو، بلکہ ابن حبان (965م) اور احمد بن حنبل (855م) بھی صحابہ کے اجماع کو ہی ترجیح دیتے تھے، اور امام ابو حنیفہؒ (767م) فرماتے تھے:

اِذَا اِجْمَعَتِ الصَّحَابَۃُ عَلٰی شَیْءٍ سَلَّمْنَا وَاِذَا اجْمَعَ التَّابِعُوْنَ زَاحَمْنَاھُم

(ارشاد الفحول صفحہ نمبر 72)

''جب کسی معاملہ میں صحابہ کا اجماع ہوگا تو سر تسلیم خم کریں گے اگر تابعین کا ہوگا تو مزاحمت کریں گے۔''

صحابہؓ کے اجماع میں سیدنا صدیق اکبرؓ (634م) کی بیعت کو شامل کیا جاسکتا ہے۔ اگر چہ انصار میں سے حضرت سعد بن عبادہؓ (635م) نے اس بیعت کو دینی حیثیت نہیں دی، لہٰذا تسلیم نہیں کیا بلکہ آپ نے تو بعد میں خلیفہ دوئم کی بیعت کو بھی تسلیم نہ کر کے اپنے حق استرداد کا احساس دلایا تھا۔ غالباً آپ کا خیال تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین و انصار کے لئے یکساں حیثیت رکھتے تھے، بلکہ فرما بھی چکے تھے کہ اگر میں مہاجر نہ ہوتا تو اپنے آپ کو انصار کہلانے پر زیادہ فخر محسوس کرتا—— کیونکہ انصار نے مہاجرین کے لئے اپنے گھروں کے دروازے کھلے رکھ کر نصرت و اعانت، ایثار و قربانی کی ایک لازوال مثال قائم کی تھی۔ پھر اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حسن کارانہ عمل سے سہ آتشہ بنا رکھا تھا۔ آپؐ نے حقوق کی تقسیم میں عدل و انصاف کو اس حد تک ملحوظ رکھا کہ حقوق میں خورد بین لگا کر بھی ''حق تلفیوں'' کا سراغ نہیں لگایا جاسکتا تھا۔ لیکن نبیؐ کے بعد ایسی نادر الوقوع

مثال کا سو فیصد قائم رکھنا چونکہ انہونی بات تھی لہٰذا اس توقع پر کہ بات اثر کرے گی اور دل میں اتر جائے گی ------ اظہار کو زبان مل گئی اور بات ہونٹوں تک آن پہنچی لیکن انکی نہیں سنی گئی۔ اب اگر یہ دینی اجماع ہوتا تو سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے اختلاف کو ''ویٹو'' کا وزن مل جاتا لیکن کسی سیاسی اجماع کے لئے اتنے وزنی حق کو استعمال کرنے کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔ نظام تو ابھی علی منہاج النّبوت ہی چل رہا تھا، لہٰذا کسی طرح کی کشاکش اور مزاحمت کو غیر ضروری سمجھا گیا۔ لیکن عرصہ بعد اس اجماع کو ایک عربی فقرے سے یہ سند فراہم کی گئی کہ ------ حکمرانی کا حق صرف قریش کو پہنچتا ہے ------ حالانکہ عربی کا یہ فقرہ جہاں قرآن کی عمومی پالیسی اور مزاج سے میل نہیں کھاتا، وہاں اسے فرمانِ رسولؐ کی حیثیت سے پیش کرنا معاملہ کی سنگینی کا احساس بھی دلا رہا تھا کیونکہ ------ وحی الٰہی نے کہیں بھی حکمرانی کو ذات پات سے مربوط نہیں کیا، بلکہ مختلف مواقع پر احساس دلایا کہ یہ اللہ کا حق ہے جسے چاہے حکمرانی کا اہل بنائے ------ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہ ------ نیز قرآن ہی نے داؤد علیہ السلام کی زبانی واضح فرمایا ہے کہ:

......اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُھَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَo(الانبیاء 105:21)

زمین اللہ کی ہے، جن میں صلاحیت کار ہو وہی اسکے وارث بن جاتے ہیں
یا بنا دیئے جاتے ہیں۔

اس طرح نہ صرف یہ کہ اس بے سند عربی فقرے نے ذہنوں میں خلجان پیدا کر دیا تھا، اور نہ صرف حالیہ بیعت ہی قریش کے حق حکمرانی کی اساس پر کی گئی تھی، یہ غلط اشارہ بھی مل رہا تھا کہ آئندہ بھی جب کبھی خلافت کے عنوان سے بیعت ہوگی وہ صرف قریشی خلیفہ ہی

سے خاص ہو گی۔

یہ عربی فقرہ کس کی تراوش فکر کا شاہکار ہے----- بیعتِ ثقیفہ کے دن سے بلکہ اس کے بعد تک کسی بھی صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تک نہ تھا، جبکہ حکمرانی کی مناسبت سے چاہئے تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حین حیات میں امت کے خورد و کلاں کو یہ ذہن نشین کرا دیتے کہ خلافت صرف ہمارے خاندان قریش ہی میں رہے گی----- یہ کیا؟ رسول صلی اللہ علیہ وسلم خود تو وضاحت نہ فرمائیں مگر بعد میں آنے والے آپؐ کے نام کو ایکسپلائٹ کر کے مشتہر بھی کریں اور مؤثر بہ ماضی بھی بنا ڈالیں۔

یہاں خلفائے ثلاثہ کی بیعت کے ضمن میں سیدنا علیؓ کا کشیدہ رہنا بھی درمیان میں لایا جاتا ہے، جبکہ حضرت موصوف کی طرح حضرت ابوبکرؓ بھی قریشی ہی تھے۔ لیکن سیدنا علیؓ کا معاملہ دوسری نوعیت کا تھا۔ آپ قرشیت سے بھی دو قدم آگے جانا چاہتے تھے، یعنی قرشیت بھی ہو اور موروثیت بھی، بلکہ موروثیت کے بارے میں آپ اور حضرت معاویہؓ (680م) بالکل یک خیال و یک رائے تھے---- دونوں ہی جمہوریت اور رائے عامہ سے الرجک تھے---- لیکن سب کچھ تسلیم کر لینے کے باوصف سیدنا علیؓ کی دعویداری کی پذیرائی مشکل تھی کہ آپ بالواسطہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار تھے۔ جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ زندہ و سلامت بھی تھے اور بلاواسطہ اقرب بھی---- موروثیت کی اساس پر خلافت صرف ان کا حق بنتی تھی۔ مگر صحابہ کرام جو اجتماعی طور پر جمہوری ذہن رکھتے تھے، موروثی سوچ کا ساتھ نہ دے سکتے تھے بلکہ حق تو یہ تھا کہ اس زاویہ سے کیس اتنا کمزور تھا کہ حضرت علیؓ کسی کو ہمنوا بنا سکتے تھے، نہ ہی کسی اور حوالہ سے

اپنے وجود کا احساس دلا سکتے تھے۔ اب سوائے روٹھنے اور کبیدہ خاطر ہونے کے اور کیا کر سکتے تھے؟

اجماع امت کی شرعی حیثیت۔ یہ طے شدہ ہے کہ "اجماع" ہمیشہ امت کی مصلحت کے گرد گھومتا ہے جبکہ مصالح مختصر یا طویل عرصہ کے بعد بدلتے بھی رہتے ہیں۔ ایسے میں اگر بحث کی خاطر ہی سہی اجماع کی دینی حیثیت تسلیم کر لی جائے تو اس کے معنٰے یہ ہونگے کہ دین جو کہ مبادیات اور اساسیات کا نام ہے، مصالح کے تابع آ کر پالیسی بدلتا رہتا ہے—— مثلاً پچیس سال پہلے جس مصلحت کے تابع پالیسی بنی اور دین کے لباس میں سامنے آئی، اور پچیس سال بعد نئی مصلحت کے نمودار ہونے پر جس نئی پالیسی نے دین کا روپ دھارا، دونوں ہی دینی حیثیت رکھتی تھیں۔ حالانکہ "اساسیات" میں اتنا تغیر و تبدل نہ پہلے کبھی روا رہا ہے نہ آئندہ گنجائش ہونی چاہئے، کیونکہ اجماع کی پوزیشن صرف اتنی ہے کہ وہ کسی معاملہ کے بارے میں نشاندہی کرے کہ اس کی بابت فیصلہ یوں یوں ہوا تھا اور بس—— اجماع مثیل قرآن نہیں ہو سکتا، اسکی دینی حیثیت کہیں بھی قطعی شکل اختیار نہیں کر سکتی۔ قرآن اپنے بلیغ انداز فہمائش میں مثلِ قرآن بنا لانے کو ناممکن ٹھیرا کر اشارہ دیتا ہے کہ —— قرآن چونکہ اصل دین ہے لہٰذا اجماع کے حوالہ سے اسکی نوک و پلک سنوارنا ہرگز روا نہیں ہو سکتا —— فرمایا:

لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰی اَنْ یَّاْتُوْ بِمِثْلِ ھٰذَاالْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ
بِمِثْلِهٖ وَلَوْ کَانَ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا (بنی اسرآئیل 17:88)

”اگر جن وانس کا اجماع ہو کہ وہ مثل قرآن بنالاسکتے ہیں تو کچھ بھی نہ بنا سکیں گے، خواہ سبھی مل کر ایک دوسرے کی پشت پناہی کیوں نہ کر ڈالیں۔“

بات کیا ہوئی کہ اجماع میں یہ سکت ہی نہیں ہے کہ کتاب وسنت کے خلاف منعقد ہو ـــــ یہی وجہ ہے کہ تفتازانی (1389م)، بحوالہ فخر الاسلام بزدوی (1100م) لکھتے ہیں:

اِنَّ الْاِجْمَاعَ لَا یَنْعَقِدُ اَلْبَتَّة بِخَلَافِ الْکِتَابِ وَالسُّنَّةِ

”اجماع کتاب وسنت کے خلاف نہ تو منعقد ہو سکتا ہے۔
اور نہ اس کے ذریعہ انکی تصریحات کی نفی ہو سکتی ہے۔
(التلویح علی التوضیح، طبع مصر جلد 34/2)

”جہاں تک مجھے معلوم ہے“ سے اجماع کا استدلال؟

بعض مزاج شناسان رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہ تکیہ کلام ہو گیا ہے کہ:

”جہاں تک مجھے معلوم ہے“ ــــ یا ــــ ”گرچہ ابھی تک مجھے قرآن وحدیث میں ایسا کوئی صریح حکم نہیں ملا، جسے فقہا کے اس متفقہ فیصلہ کی بنیاد قرار دیا جاسکے۔“ ترجمان القرآن مارچ 52)

تو کیا ایسے الفاظ سے اجماع کا استنباط ہو سکتا ہے؟

امام شوکانی فرماتے ہیں:

قَوْلُ الْقَائِلِ لَا اَعْلَمُ خِلَافًا بَیْنَ اَھْلِ الْعِلْمِ فِیْ کَذَا قَالَ الصَّیْرَفِیُّ

لَا يَكُوْنُ اِجْمَاعًا لِّجَوَازِ الْاِخْتِلَافِ وَكَذَا قَالَ ابْنُ حَزَمٍ فِي الْاَحْكَامِ....

امام صیرفی (942م) اور امام ابن حزم (1064م) کے نزدیک ''جہاں تک مجھے معلوم ہے'' کے الفاظ سے اجماع کا استدلال نہیں ہو سکتا کہ ایسا کہنے والے نے تمام علوم کا احاطہ نہیں کیا ہوا۔ ابن حزم کی کتاب الاحکام میں امام شافعی (820م) اور امام احمد (855م) سے بھی ایسی ہی تصریحات نقل کی گئی ہیں۔ ماوردی (1058م) نے لکھا ہے کہ ایسے الفاظ اگر کوئی مجتہد کہے تو اس میں دو قول ہیں بعض لوگوں نے اسے حجت مانا ہے اور بعض لوگوں نے اسے مسترد کر دیا ہے تاہم اگر کوئی مفتی یا مولوی ایسے الفاظ کہتا ہے تو وہ ناقابل توجہ بک بک ہے۔

(ارشاد الفحول صفحہ نمبر 11/80 تا 17)

محمد بن نصر مروزی (906م) کہتے ہیں کہ:

فَاِنَّا لَا نَعْلَمُ اَحَدًا اَجْمَعَ مِنْهُ لِاَقَاوِيْلِ اَهْلِ الْعِلْمِ وَلٰكِنْ فَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٍ وَقَدْ قَالَ الشَّافِعِيُّ فِيْ زَكٰوةِ الْبَقَرِ لَا اَعْلَمُ خِلَافًا فِيْ اَنَّهُ لَيْسَ فِيْ اَقَلِّ مِّنْ ثَلَاثِيْنَ مِنْهَا تَبِيْعٌ وَالْخِلَافُ فِيْ ذَالِكَ مَشْهُوْرٌ..... ہمیں تو ایسا کوئی بھی صاحب علم نہیں ملا جو دنیا بھر کے علماء کے اقوال کا علم رکھنے والا ہو اور پھر اس کی ضو میں مدعی ہو کہ 'جہاں تک مجھے معلوم ہے'' کیونکہ علم کی اس نے کوئی انتہا نہیں کی کہ پورے وثوق سے بات کہنے کا مجاز ہو ـــــ ایک دفعہ گائے بھینس کی زکوۃ کے معاملہ

میں امام شافعی نے (مجتہد ہونے کے باوجود) کہہ دیا تھا کہ ---- جہاں تک مجھے معلوم ہے کوئی بھی اختلاف نہیں کرتا کہ تیس سے کم گایوں اور بھینسوں کی زکوٰۃ ایک بچھڑا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں تھا، اختلاف کرنے والے انکے وقت میں بھی موجود تھے، جو کہتے تھے کہ پانچ گایوں (وغیرہ) پر ہی ایک بچھڑا ہے، یعنی وہ ہر بڑے جانور کو اونٹ پر ہی قیاس کرتے تھے۔

(ارشاد الفحول صفحہ نمبر 17/80 تا 19)

اسی طرح امام مالک (795م) نے اپنی مؤطا میں حلف کو رد کر دینے کے باب میں یہ استدلال کیا تھا کہ جہاں تک مجھے معلوم ہے کوئی بھی شخص، اشخاص میں سے یا کوئی ایک شہر شہروں میں سے اختلاف نہیں کرتا۔ حالانکہ صحابہ میں سے سیدنا عثمانؓ (655م) اور ابن عباسؓ (687م) اور تابعین میں سے حکم وغیرہ اور ائمہ میں سے ابنِ ابی لیلیٰ (765م) اور حضرت امام ابوحنیفہؒ اور انکے پیروکار و دیگر اصحابِ علم و فضل کے مخالف فیصلے موجود تھے۔ پس جب امام مالک کی لاعلمی کا یہ حال تھا تو کسی دوسرے کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے؟ (ارشاد الفحول صفحہ نمبر 19/80 تا 22)

یہ اقتباسات واضح کرتے ہیں کہ سید مودودی اور دیگر اصحاب نے اپنی بات کو مستند بنانے کے لئے جو تکیہ کلام بنا رکھا تھا، وہ بوگس اور علمی دنیا میں مفلوج سوچ کا آئینہ دار تھا-----

اہل بدعت کا اجماع۔ اہل بدعت سنیوں کی خاص اصطلاح ہے، جس کا ہر اس آدمی پر اطلاق فرماتے ہیں جو "غیر سنی" ہو یا جس سے دل میں پرخاش ہو۔ اس طرح وہ ان خالص و مخلص طالبان قرآن کو بھی اہل بدعت کہتے ہیں، جبکہ ان کے دلوں پر بدعت کا مفہوم تک طاری نہیں ہوا۔ ان کا جرم یہ ہے کہ وہ قرآن کی آیات میں تفکر و تدبر سے کام لیتے ہیں اور فہم و بصیرت کو سہارا بنا کر گوہر تابدار نکال لاتے ہیں، لیکن ان کے فکری پیمانے سے چونکہ روایات اور فقہاء کے شعور شکن بہت سے فیصلوں کی نفی ہو جاتی ہے، لہٰذا وہ طالبان قرآن بلکہ خود قرآن ہی کو میلی نظروں سے دیکھنا شروع کر دیتے اور قرآن اور توحید پر ایمان لانے کے باوصف نہ امت میں شامل سمجھتے ہیں اور نہ اجماع کا اہل جانتے ہیں۔ ان کو تَنَابُزْ بِالْاَ لْقَابِ کی نفسیات کے مطابق "معتزلہ" کہا جاتا ہے----

اسی طرح یہ لوگ ان صاحبان زہد و تقویٰ اور حاملان علم و عمل کو بھی اجماع کا اہل نہیں سمجھتے جو نہ اللہ کی ذات سے شرک کرتے اور نہ غیر اللہ کے فیصلوں کو وحی کے مساوی ٹھیراتے ہیں۔ اہل قبلہ ہیں، رسالت محمدیہ کی "خاتمیت" پر ایمان رکھتے ہیں، مگر مزاج میں چونکہ زیادہ گرمی رکھتے اور نام نہاد بہت سے سنیوں کے کردار کو زیر بحث لاتے ہیں لہٰذا سنی سیاسی لوگ ان سے الرجک ہیں اور انہیں بھی "تَنَابُزْ بِالْاَ لْقَابِ" کے مطابق "خارجی" کہتے ہیں-----

ان ہی کی طرح ایڈز زدہ لوگوں میں ان کا شمار بھی کیا جاتا ہے جو سیاسی اور مذہبی طور پر سنیوں سے اختلاف رکھتے اور خلفائے ثلاثہ کے ایمان کے بارے میں منفی رائے رکھتے ہیں۔ یہ اسلام کا سب سے پہلا سیاسی اور مذہبی گروہ ہے، یہ اپنی انتہا پسندی میں قرآن کی

عصمت اور صحابہ کی عظمت کو تسلیم نہیں کرتا---- نام لینے کی ضرورت نہیں ہے، انہیں بھی پروڈا، ایبڈو اور اپنے وقت کے سیفٹی ایکٹ کے شکنجوں میں کس کر اجماع کے لئے نا اہل قرار دیا گیا تھا، جبکہ ان کی علمی سطح سنیوں سے کہیں زیادہ بلند تھی۔ بایں ہمہ تعجب ہے کہ صدر اول سے لے کر پانچویں صدی ہجری تک جتنے محدث اور اہل تفسیر گزرے ہیں ان میں سے اکثر کے اساتذہ یہ شیعہ ہی تھے۔ لہٰذا محدثین اور بعض فقہا اپنے ان اساتذہ کا بھرم رکھنے کے لئے اجماع کی حد تک ان کے لئے دل میں نرم گوشہ رکھتے رہے ہیں---- کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان اساتذہ کے بغیر تاریخ وروایات کا تمام ذخیرہ سگریٹ کے کش کے دھوئیں کی طرح ہوا میں تحلیل ہو کر نابود ہو جائے گا---- آیئے اب سنیوں کے نامزد کردہ اہل بدعت کی بابت ان کی ایک رائے ملاحظہ ہو، شوکانی لکھتے ہیں:

> قَالَ الْاُسْتَاذُ اَبُوْ مَنْصُوْرٍ قَالَ اَهْلُ السُّنَّةِ لَا يُعْتَبَرُ فِى الْاِجْمَاعِ وِفَاقُ الْقَدْرِيَّةِ وَالْخَوَارِجِ وَالرَّافِضَةِ وِهٰكَذَا رَوَاهُ اَشْهَبُ عَنْ مَالِكٍ وَرَوَاهُ الْعَبَّاسُ بْنُ الْوَلِيْدِ عَنِ الْاَوْزَاعِى وَرَوَاهُ اَبُوْ سُلَيْمَانَ الْجَوْزَجَانِىْ عَنْ مُحَمَّدِ نِ بْنِ الْحَسَنِ وَحَكَاهُ اَبُوْ ثَوْرٍ عَنْ اَئِمَّةِ الْحَدِيْثِ۔ ”استاد ابو منصور کہتے ہیں کہ اہل سنت کا فیصلہ ہے کہ ---- اجماع کے لئے معتزلہ، خارجیوں اور شیعہ کی ہم آہنگی ضروری نہیں ہے کہ یہ اہل اجماع ہوتے ہی نہیں۔ اشہب نے امام مالک سے، عباس بن الولید نے امام اوزاعی سے ---- ابو سلیمان جوز جانی نے امام محمد بن الحسن (804م) سے اور ابو ثور نے تمام آئمہ حدیث سے یہی فتویٰ نقل کیا

ہے کہ مذکورہ تینوں مدارس فکر کی اجماع کے ضمن میں کوئی اہمیت اور وقعت نہیں ہے۔ (ارشاد الفحول صفحہ 71)

اور وجہ یہ بتلائی جاتی ہے کہ یہ لوگ ہمارے بزرگوں کی تکفیر کرتے ہیں۔

ابنِ قطان کہتے ہیں کہ —— **فَاَمَّا مَنْ کَانَ اَھْلُ الْاَھْوَاءِ فَلَا مُدْخَلَ لَهُ فِیْهِ قَالَ قَالَ اَصْحَابُنَا فِی الْخَوَارِجِ لَا مُدْخَلَ لَھُمْ فِی الْاِجْمَاعِ وَالْاِخْتِلَافِ لِاَنَّھُمْ لَیْسَ لَھُمْ اَصْلٌ یَّنْقُلُوْنَ عَنْهُ لِاَ نَّھُمْ یُکَفِّرُوْنَ سَلَفَنَاالَّذِیْنَ اَخَذْ نَاعَنْھُمْ اَصْلَ الدِّیْنِ** ”جو اہل بدعت ہیں اجماع کے معاملے میں ان کی رائے کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ ہمارے بزرگ ان خارجیوں کے بارے میں بطورِ خاص کہتے تھے کہ ان کی کوئی اساس اور بنیاد نہیں ہے، جس کے حوالہ سے ہم بات کریں۔ یہ تو وہ لوگ ہیں، جو ہمارے بزرگوں کی تکفیر سے بھی گریز نہیں کرتے، جو کہ ہمارے لئے ”حوالہ“ ہیں۔ اور ہم ان ہی کے ذریعہ دین کی مبادیات معلوم کرتے ہیں۔“ (ارشاد الفحول صفحہ 20/71 تا 23)

گویا ان کو اہل اجماع میں شامل نہ کرنے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ ہمارے بزرگوں کا احترام کرتے تھے نہ عزت۔

تبصرہ: لیکن بزرگوں کی عزت و احترام تو شیعہ بھی نہیں کرتے۔ سیدہ عائشہؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عمرؓ، حضرت امیر معاویہؓ، سیدنا ابو بکرؓ، اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ بلکہ دو چار صحابہ کے علاوہ تمام صحابہٴ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ لوگ اسلام سے منحرف کہتے

اور ان کے ہاتھوں میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو مکمل ضابطہ حیات یعنی قرآنِ اقدس دے گئے تھے اسکی بابت بھی اچھی رائے نہیں رکھتے۔ لیکن وہ کیا ——— خود سنی بھی اچھی رائے نہیں رکھتے۔ ایسے میں محدثین کا ان کے بارے میں زبان کو بند رکھنا حیرت افزا ہے۔ کیا اسکی بدیہی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ اپنے اساتذہ کے بارے میں اگر نرم مؤقف اختیار نہ کریں تو خود ان کا ''روایت گری'' کا بھرم بھی مشتبہ ہو جائے گا ——— پھر بزرگوں کا احترام نہ کرنا ہی اگر کسی اہل علم کے اہل اجماع کی صف میں داخل ہونے سے مانع ہے تو آنے والے دنوں میں کوئی طالب قرآن بھی کہہ سکتا ہے کہ قرآن جو تمام تر ''بزرگیوں'' کا ماخذ ہے اسکی بابت بھی ان ہی سنی مدارس فکر کی رائے منفی اور ہتک آمیز موجود ہے جو دوسروں کی بات کو ٹھکرانے کے لئے ''بزرگوں'' کی تکفیر کا بہانا بنائے ہوئے ہیں۔

قرآن کی بابت احناف کے مسلمہ پیشوا، امام ابوالحسن عبیداللہ الکرخی (952م) احناف کے موقف کو جامع حیثیت دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

> *''ہر وہ آیت جو اس طریقے کے مخالف ہو جس پر ہمارے*
> *اصحاب ہیں، وہ یا تو ——— مؤوّل ہے ——— یا ——— منسوخ۔''*

(تاریخ فقہ اسلامی بترجمہ عبدالسلام ندوی، طبع دارالمصنفین، اعظم گڈھ، صفحہ 12/421 تا 13)

یعنی کہ قرآن کو فقہاء کے مزاج میں ڈھالنے کے لئے ——— تاویل کے ذریعہ اسکی واضح آیات کا رخ موڑ دیا جائیگا، پھر بھی کام نہ بنے تو منسوخ یا کالعدم ٹھیرایا جائے گا ———

اسی طرح شیخ المحدثین یحییٰ بن ابی کثیر (747م) کا ارشاد ہے:

اَلسُّنَّۃُ قَاضِیَۃٌ عَلَی الْکِتَابِ وَلَیْسَ الْکِتَابُ بِقَاضٍ عَلَی السُّنَّۃِ

”سنت (یعنے حدیث) کو قرآن پر فیصلہ کن فوقیت حاصل ہے،
اس کے برعکس قرآن کو یہ حیثیت حاصل نہیں ہے۔“

(کتاب الاعتبار امام حازمی (1188م) طبع منیر، دمشق 1346ہجری قاہرہ صفحہ 17)

اور یہ حوالہ جات واضح کرتے ہیں کہ سنی بحیثیت مجموعی وحی قرآن کو جائز مقام دینے کے لئے کسی بھی دور میں تیار نظر نہیں آئے——اب جہاں صرف گروہی اساس پر ہم نواؤں کو اہل اجماع میں شامل اور مخالفوں کو دائرہ اجماع سے خارج کیا جاتا رہا ہے——وہاں اگر کوئی طالب قرآن یہ کہے کہ ہمارا بزرگ صرف قرآن ہے، جو اسے ثانوی یا صفر درجے پر رکھے گا ہم سنّیت کے حامل ان بزرگوں کو اہل اجماع کی صفوں سے خارج کر دیں گے تو فرمایا جائے اس ردعمل کا کیا جواب ہوگا؟

اجتہاد اور اجماع میں فرق:

اجتہاد اندر کی روشنی کا نام ہے۔ یہ روشنی جس بھی کلمہ گو کو حاصل ہے وہ بے کھٹکے اہل اجماع کا ممبر بن سکتا ہے۔ کسی کو گروہی بنیادوں پر صف ”اجماعیوں“ سے خارج نہیں کیا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک علماء کا اس پر بھی اجماع نہیں ہوا کہ ”اہلِ بدعت“ کے ذریعے اجماع نہیں ہوسکتا۔ گو فتویٰ میں ہم آہنگی دکھلائی گئی ہے، لیکن یہاں فتویٰ کی بات نہیں ہو رہی اور نہ ہی فتویٰ کے لئے اندر کی روشنی ضروری ہے۔ یہاں اجماع کی صلاحیت سے بحث ہو رہی ہے، جس کی بابت بہت سے اہل علم بلکہ

ابوبکر صیر فی (942م) کہتے تھے کہ:

> وَلَایُخْرَجُ عَنِ الْاِجْمَاعِ مَنْ کَانَ مِنْ اَھْلِ الْعِلْمِ وَاِنِ اخْتَلَفَتْ بِھِمُ الْاَھْوَاءُ کَمَنْ قَالَ بِالْقَدْرِوَمِنْ رَاْیِ الْاَرْجَاءِ وَ غَیْرَذَالِکَ مِنْ اِخْتَلَافِ آرَاءِ اَھْلِ الْکُوْفَةِ وَالْبَصْرَةِ اِذَا کَانَ مِنْ اَھْلِ الْفِقْهِ
>
> ”دائرہ اجماع سے کسی بھی ایسے شخص کو خارج نہیں کیا جاسکتا جو صاحب علم وبصیرت ہے، سوچ اس کی معتزلہ والی ہو خواہ مرجیہ والی اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ اسی طرح اہل کوفہ اور بصرہ والوں کے علمی اور فقہی اختلاف کو مدّنظر رکھ کر انہیں بھی دائرہ اجماع سے خارج نہیں کیا جاسکتا، اگر یہ سب فقہی بصیرت سے مالا مال ہیں تو۔

(ارشاد الفحول صفحہ نمبر 17/71 تا 19)

اجماع کب حجت ہوسکتا ہے؟

علماء کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ اجماع بذات خود سند ہے یا اسکا کتاب اللہ یا سنت متواترہ سے مستند ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ امام احمد، داؤد ظاہری، ائمہ خوارج اور تمام امامیہ، کسی بھی ایسے اجماع کو شریعت تسلیم نہیں کرتے، جسکا ماخذ کتاب اللہ یا سنت متواترہ نہ ہو۔ محمد بن جریر طبری (923م) نے بھی ایسا اجماع جسکا ماخذ قیاس یا غیر مستند ہو، سے قطعاً انکار کیا ہے۔ نیز ابن حزم (1064م)، ابن فورک (1015م)، عبدالوہاب حرانی (1032م)، سلیم رازی (904م) اور دیگر بہت سے ائمہ نے غیر مستند اجماع کو

حجت تسلیم نہیں کیا کیونکہ اہل اجماع کا یہ منصب نہیں کہ حکم دینے کے بالاستقلال مجاز ہوں۔ اگر یہ مان لیا جائے تو اسکا مطلب یہ ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک یا ---ایک سے زیادہ شریعتوں کا ظہور ممکن ہے اور ان کا اتباع واجب!

امام صیرفی وغیرہ نے لکھا ہے کہ اجماع کے لئے مستند ہونا ضروری ہے--- رویانی (1112م) اور ماوردی (1058م) نے اپنے اس خیال کی تائید میں بعض ایسے ائمہ کے اقوال بھی نوٹ کئے ہیں جن سے مترشح ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ’’الہام‘‘ کے لئے بھی مستند ہونا ضروری ہے۔

تصریحات بالا سے ظاہر ہے کہ ان حضرات کے نزدیک اجماع کی ’’فی نفسہٖ‘‘ کوئی حیثیت نہیں کیونکہ انہوں نے صرف اسی اجماع کو تسلیم کیا ہے جسکی سند کتاب اللہ یا سنت متواترہ ہو، اور جو مسئلہ کتاب اللہ اور سنت متواترہ سے ثابت ہو سکے اس کے لئے اجماع کی ضرورت باقی ہی نہیں رہتی۔

اب میں ان مدعیان اجماع سے دریافت کرنا چاہوں گا کہ وہ بتائیں کہ یتیم پوتے کو اسکے دادا کے ترکے سے محروم کرنے پر کس زمانے میں اور کس مقام پر اور کن الفاظ میں اجماع ہوا تھا اور اس اجماع کی سند قرآنِ کریم کی کون سی آیت اور کون سی سنتِ متواترہ تھی؟ کیونکہ اس کے بغیر کوئی اجماع ثابت ہی نہیں ہوسکتا۔ جب کہ یہاں حالت یہ ہے کہ ان لوگوں کو اس کا خود بھی اعتراف ہے کہ مجتہدین کے اس قول کی سند میں کوئی نصِ قرآنی، کوئی صحیح حدیثِ نبوی آج تک ان کو معلوم نہ ہوسکی۔ ان کے پاس لے دے کر صرف زید بن ثابت (665م) کا قول ہے جس کے متن کی ٹیکنیکل خامی اسکی سند کی خامی

پر گواہ ہے۔ لہٰذا اس کا مطلب خود بھی محل نزاع ہے ـــــ خاص کر ادبیات عرب کی رو سے اس سے پوتے کی محرومی کا مفہوم کشید ہی نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ابن ثابت کے ایک متنازعہ قول کو اجماع کی سند نہیں بنایا جا سکتا۔

یتیم پوتے کی محرومی کی طرح قتلِ مرتد کے لئے بھی کوئی مستند ماخذ نہیں ہے اور نہ یہ سراغ مل سکا کہ علماء سنت کے مجتہدوں نے کب اور کہاں اور کس آیت کے سہارے مرتد کے قتل پر اجماع کیا ہے، جبکہ مستند (یعنی قرآن) کی 12 آیات آزادیٔ اظہار اور بار بار عقیدہ بدلنے کی چھوٹ پر گواہ ہیں۔ ایسے میں ان کا اجماع کہیں منعقد بھی ثابت کیا جائے تو قرآن کی صریح نصوص کے خلاف ہونے کے باعث منعقد ہو ہی نہیں سکتا۔

اختلاف قراءات کے ثبوت میں، اجماع کی دلیل پیش کی جاتی ہے۔ یہ بھی محض کتابوں میں لکھا ہوا اجماع ہے۔ یہ کسی کو معلوم نہیں کہ یہ اجماع کب اور کہاں منعقد ہوا۔ (سعید)

ایک ''سبعہ احرف'' کے مفہوم اور معانی پر، خود اہل قراءات کے درمیان وافر اختلافات موجود ہیں۔ ان تسلیم شدہ اختلافات کی موجودگی میں مبینہ اجماع کی باتیں، علمی اور انسانی سطح پر پذیرائی کے قابل نہیں۔ (سعید)

قرآن مجید کی متعدد آیات، خصوصاً (البقرۃ 176:2):

......وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ لَفِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍo

(اور جو لوگ اللہ کی کتاب کے متن میں اختلاف کرتے ہیں، وہ سب کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں) کی موجودگی میں، قرآن مجید کی صریح نص کے خلاف ایسا اجماع نیز منعقد ہی نہیں ہو سکتا۔ (سعید)

اجماع سکوتی۔ اجماع سکوتی کی تعریف یہ ہے:

اَنْ یَقُوْلَ بَعْضُ اَھْلِ الْاِجْتِھَادِ بِقَوْلٍ وَ یَنْشُرُ ذَالِکَ فِی الْمُجْتَھِدِ یْنَ مِنْ اَھْلِ ذَالِکَ الْعَصْرِ فَیَسْکُتُوْنَ وَلَا یُظْھَرُ مِنْھُمْ اِعْتَرَافٌ وَلَا اِنْکَارٌ

چند مجتہدین کوئی بات کہہ کر اس دور کے تمام مجتہدین میں مشتہر کر دیں اب اگر کسی نے اعتراف یا انکار کی صورت میں کچھ نہیں کہا بلکہ مجتہد ہو کر بھی خاموش رہے تو ایسا اجماع ”سکوتی“ کہلائے گا—— یہ اجماع امام شافعی، داؤد ظاہری (888م) اور اسکے بیٹے قاضی مرتضےٰ ظاہری کے نزدیک حجت نہیں ہے۔ (ارشاد الفحول صفحہ نمبر 9)

منتھی الارب میں لکھا ہے:

......وَلَمْ یَنْکِرُہُ اَحَدٌ وَکَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ صَبِیًّا فَلَمَّا بَلَغَ خَلَفَ وَقَالَ لَیْسَ فِی الْمَالِ نِصْفَانِ وَثُلُثٍ فَقِیْلَ ھَلَّا قُلْتُ ذَالِکَ فِیْ عَھْدِ عُمَرٍؓ قَالَ کُنْتُ صَبِیًّا وَکَانَ عُمَرُ رَجُلًا مُھِیْبًا فَھِیْبَتُ

اجماع سکوتی کے حجت نہ ہونے کا انکار کسی نے بھی نہیں کیا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ سیدنا عمرؓ کے عہد میں مسئلہ ”عول“ کو مشتہر کر کے اس پر اجماع ہو چکا تھا۔ مگر بعد میں جب ابن عباس بڑے ہو گئے تو انہوں نے اس کی مخالفت کی۔ لوگوں نے پوچھا تب آپ کیوں نہیں بولے؟ فرمایا زمانہ

عمرؓ میں، میں چھوٹا تھا اور حضرت عمرؓ ایک پر ہیبت شخصیت کے مالک تھے۔
ان کے سامنے بولنے کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی۔ (حاشیہ نور الانور صفحہ نمبر 23)

اسکے علاوہ ملا علی قاری (1606م) نے امام سراج الدین سے بھی ایسا ہی نقل کیا ہے۔ ان کے برعکس کچھ شافعی المذہب علماء کچھ اصولیوں اور استاد ابو اسحاق شاشی (937م) اجماع سکوتی کو بھی حجت مانتے تھے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ خاموشی کبھی رضامندی سے بھی ہوتی ہے۔ لیکن اس دلیل کا ضعیف ہونا محتاج بیان نہیں ہے۔

چنانچہ اصولی امام ابن ابی ہریرہ (956م) اس دلیل کو نہیں مانتے اور کہتے تھے کہ:

اِنَّا نَحضُرُ مَجلِسَ بَعْضِ الْحُکَّامِ وَنَرَاھُمْ یَقْضُوْنَ بِخِلَافِ مَذْھِبِنَا وَلَا نُنکِرُ ذَالِکَ عَلَیْھِمْ وَلَا یَکُوْن سَکُوْتَنَا رِضًا مِنَّا بِذَالِکَ ”بسا اوقات مجلس امراء میں ہم موجود ہوتے ہیں وہ ہمارے سامنے ہمارے ضمیر اور نظریے کے خلاف فیصلے دیتے ہیں لیکن ہم انہیں ٹوکنے کی جرأت نہیں کرتے جبکہ ہمارا یہ سکوت ان کے فیصلوں کی پسندیدگی پر مبنی نہیں ہوتا۔

صفی ہندی کہتے ہیں کہ:

اِنَّہٗ اِجْمَاعٌ، لَا حُجَّۃٌ —— یعنی یہ اجماع تو ہے مگر حجت نہیں ہے۔ ابن قطان (970م) ابو طاہر بغدادی (1037م)، ابو علی جبائی (916م)، ابن فورک (1015م)، امام رافعی (1227م)، امام شافعی (820م)، امام احمد (855م) اور دیگر ماہرین فن اور ائمہ اصول ایک صدی گزر جانے سے پہلے

اسے حجت نہیں مانتے۔ (ارشاد الفحول صفحہ نمبر 80)

یعنی اجماع سکوتی منعقد ہونے کے بعد پانچ نسلوں تک حجت نہیں ہے۔ اس کے بعد یہ اُن کا مسئلہ ہے جو موجود ہونگے کہ وہ اسے حجت مانتے ہیں یا مسترد کردیتے ہیں۔ لیکن اس طرح ہوگا یہ کہ مسئلہ اپنے مَالَهُ وَمَاعَلَيْهِ کی صورت میں سوسال تک معلق رہے گا۔ اتنے طویل عرصے میں اگر کسی جانب سے اعتراض نہ ہوا تو اب مستقبل میں حجت ہوگا، اگر کہیں سے انگشت نمائی ہوئی تو قابلِ تامل رہیگا۔ یعنی چوتھی صدی والے جو اجماع کریں گے وہ اس صدی کے لئے حجت نہیں ہوگا۔ پانچویں صدی والے اگر اسے قبول نہ کریں تو وہ بھی قبولیت کی ذمہ داری سے آزاد ہونگے اللہ اللہ خیر صلاًّ ۔ لیکن اس تکلف سے بہتر یہ ہوگا کہ اجماع سکوتی کی میعادِ قبولیت سو سال سے کم کرکے صرف پانچ سال کر دی جائے۔ ان پانچ سالوں میں اگر کوئی مخالفت میں نہ بولا تو پندرہ بیس سال کے لئے اسے حجت سمجھا جائے۔ پھر نئی میٹنگ اور نیا مشورہ کرکے اس کی توثیق یا متبادل کی تخلیق کر لی جائے۔

اجماع کی توانائی کتنی ڈگری کی ہو؟

اثبات ونفی کے تمام مراحل سے گزر کر اگر بالفرض کسی مسئلہ پر اجماع ہو بھی جاتا ہے تو شرعاً اسکی حیثیت کیا ہوتی ہے؟ اس کی بابت امام شوکانی تفصیلات دیتے ہیں کہ اسکی دو صورتیں ہیں ـــــ قطعی حجت کہلائے گا یا ـــــ ظنی دلیل ـــــ؟ اس میں اختلاف ہے۔ شمس الائمہ سرخسی (1090م)، دبوسی ابو زید (1039م)، ابن برہان

(1124م)، صیرفی (942م) اور اصفہانی کا فتویٰ ہے کہ ـــــ اجماع قطعی حجّت ہے ـــــ چنانچہ ان میں بعض یہاں تک متشدد تھے کہ اسکے منکر کو کافر کہہ دیتے تھے۔ لیکن امام رازی (1210م)، آمدی (980م)، (خود شوکانی)، شیخ الطائفہ ابن عربی (1240م)، امام عبدالجبار الجبائی (916م)، امام الحرمین عبدالملک (1085م)، اکثر شوافع، حجۃ الاسلام امام نووی (1277م)، امام ابن دقیق العید (1302م)، امام احمد، ابن حبان (965م) محمد بن علی بن حزم (1064م)، داؤد ظاہری (888م)، اسحاق (937م)، ابن ابی داؤد (929م)، ابراہیم النظام (845م)، اور ملا علی قاری (1606م) نے اس کے خلاف فتویٰ دیا ہے۔ ان کا فتویٰ یہ ہے کہ:

اجماع ـــــ صرف ظنی حجّت ہے، کیونکہ اسکے منکر کو کافر نہیں کہا جاسکتا۔

امام الحرمین ابو العالی نے طبقہ فقہاء و مجتہدین کے موٗقف کو جامع صورت دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:

کَیۡفَ نُکَفِّرُ مَنۡ خَالَفَ الۡاِجۡمَاعَ وَ نَحۡنُ لَا نُکَفِّرُ مَنۡ رَدَّ اَصۡلَ الۡاِجۡمَاعِ وَ اِنَّمَا نُبَدِّعُہٗ وَنُضَلِّلُہٗ وَالۡمُعۡتَمِدُ عِنۡدَ الشَّافِعِیَّہ عَدَمُ اِطۡلَاقِ تَکۡفِیۡرِ الۡمَجۡمَعِ عَلَیۡہِ اجماع کے مخالف کی تکفیر تو بعد کی چیز ہے ہم تو سرے سے اصل اجماع کے منکر کی تکفیر بھی نہیں کرتے۔ زیادہ سے زیادہ اسے مبتدع اور راہ علماء سے بھٹکا ہوا کہہ سکتے ہیں۔ شافعیہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ ایسا ہی امام حجۃ الاسلام نے المنخول میں لکھا ہے کہ:

اِنَّہٗ قَدۡ ثَبَتَ الۡخِلَافُ فِیۡ کَوۡنِ الۡاِجۡمَاعِ حُجَّۃً وَلَا یُکَفَّرُ مُنۡکِرُہٗ

''یہ طے شدہ ہے کہ اجماع کی حجّیت میں اختلاف ہے اور کسی بھی اختلافی مسئلہ کے انکار پر تکفیر کا وار کارگر نہیں ہوسکتا۔''

(بحوالہ تہذیب الاخلاق جلد اوّل صفحہ 160)

ملاعلی قاری نے ابن العربی سے نقل کیا ہے کہ:

اَنَّ الشَّخْصَ مَادَامَ یَتَمَسَّکُ بِالْکِتَابِ وَالسُّنَّةِ لَا یُکَفَّرُ وَاِنْ کَانَ تَاوِیْلُهٗ فَاسِدًا (مرقاۃ الاصول)

''کوئی شخص جب تک کتاب وسنت سے تمسک کر رہا ہے اس کی تکفیر نہیں کی جاسکتی۔ خواہ اسکی تاویل کتنی ہی فاسد کیوں نہ ہو۔''

ابن دقیق العید (1302م) نے شرح ——العمدة—— میں لکھا ہے کہ:

اَطْلَقَ بَعْضُهُمْ اَنَّ مُخَالِفَ الْاِجْمَاعِ یُکَفَّرُ وَالْحَقُّ اَنَّ الْمَسَائِلَ الْاِجْمَاعِیَّةِ تَارَةً یَصْحِبُهَا التَّوَاتُرُ عَنْ صَاحِبِ الشَّرْعِ کَوُجُوْبِ الْخُمْسِ وَقَدْ لَا یَصْحِبُهَا فَالْاَوَّلُ یُکَفَّرُ جَاحِدُهٗ لِمُخَالَفَةِ التَّوَاتُرِ لَا لِمُخَالَفَةِ الْاِجْمَاعِ ''بعض لوگوں نے اجماع کے مخالف کو کافر کہہ دیا ہے کہ جبکہ صحیح بات یہ ہے کہ اجماعی مسائل کے ساتھ ساتھ کبھی تواتر کے ساتھ صاحب شریعت کی کوئی نص بھی ہوتی ہے، جیسے وجوب خمس میں ——اس صورت میں منکر کی تکفیر اس لئے کی جائے گی کہ اس نے متواتر کی مخالفت کی ہے اس لئے نہیں کہ اس نے اجماع کی مخالفت کی ہے۔

(شرح العمدہ بحوالہ تہذیب الاخلاق جلد اول صفحہ نمبر 161)

درمختار کے حاشیہ شامی میں لکھا ہے کہ:

اِذَا لَمْ تَکُنِ الْاٰیَۃُ اَوِ الْخَبَرُ الْمُتَوَاتِرُ قَطْعِیَّ الدَّلَالَۃِ اَوْلَمْ یَکُنِ الْخَبَرُ مُتَوَاتِرًا اَوْکَانَ قَطْعِیًّا لٰکِنْ فِیْہِ شُبْھَۃٌ اَوْ لَمْ یَکُنِ الْاِجْمَاعُ اِجْمَاعَ الْجَمِیْعِ اَوْکَانَ وَلَمْ یَکُنْ اِجْمَاعُ الصَّحَابَۃِاَوْکَانَ وَلَمْ یَکُنْ اِجْمَاعُ جَمِیْعِ الصَّحَابَۃِ اَوْکَانَ اِجْمَاعُ جَمِیْعِ الصَّحَابَۃِ وَلَمْ یَکُنْ قَطْعِیًّا فَاِنْ لَمْ یَثْبُت بِطَرِیْقِ التَّوَاتُرِ قَطْعِیًّالٰکِنَّ اِجْمَاعًا سَکُوْتِیًّا فَفِیْ کُلِّ ھٰذِہِ الصُّوَرِ لَا یَکُوْنُ الْجُحُوْدُ کُفْرًا

اس شذرہ میں ابن عابدین (1835م) جوفقہائے احناف میں قد آور فقیہ تھے، انہوں نے اجماع کے بارے میں جو تفاصیل دی ہیں کاش علمائے احناف ان کا احساس کرتے اور ''اکثریت'' کے فتاویٰ یا تائیدی دستخطوں کو ''اجماع'' کا نام دیکر اپنی کم فہمی، کم علمی، کم مائیگی اور بدذوقی کا ثبوت نہ دیتے۔

کیا بعد کے عصر میں...... اجماع سابق...... کی مخالفت کی جاسکتی ہے؟

علماء کے مابین اس میں تقریباً قابل ذکر اختلاف نہیں ہے کہ ایک عصر کا اجماع دراصل اسی عصر کے لئے ہی ہوتا ہے، بعد کے عصر والوں کیلئے اس سے اختلاف کرنے کی گنجائش ہوتی ہے۔ شوکانی لکھتے ہیں:

فَذَھَبَ الْجُمْھُوْرُ اِلٰی جَوَازِ ذَالِکَ لِاَنَّ الْاِجْمَاعَ وَالْاِخْتِلَافَ

اَنَّمَا هُوَ فِی الْحُکْمِ عَلٰی شَیْءٍ بِکَوْنِهٖ کَذَا وَاَمَّا الْاِسْتِدْلَالُ بِالدَّلِیْلِ
اَوِ الْعَمَلِ بِالتَّاْوِیْلِ فَلَیْسَ مِنْ هٰذَا الْبَابِ (ارشاد الفحول صفحہ 13/77 تا 15)

”جمہور اسکے جواز کی طرف گئے ہیں کیونکہ اجماع اور اختلاف یہی تو ہے کہ اس میں کسی چیز پر حکم لگایا جاتا ہے کہ وہ یوں ہے؟ لیکن جب اس کے خلاف کسی دلیل سے استدلال کیا جائے اور تاویل کے مطابق عمل کیا جائے تو وہ اس باب سے خارج ہے۔

اجماع ''ویٹو'' ہوسکتا ہے۔ تصریحات بالا سے واضح ہوا کہ دلیل و برہان کے ساتھ اجماع سے مخالفت کرنے میں جمہور علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے، جبکہ اجماع کے خلاف کوئی دلیل پیش کی جا رہی ہو، جس سے اجماع کا ابطال ہو جاتا ہو، اور یہ ثابت ہو جاتا ہو کہ اجماع کرنے والوں نے ایک غلط فیصلے پر اجماع کر لیا تھا تو اس میں ذرا سا بھی مضائقہ نہیں ہے —— ہمارے علماء نے تو یہاں تک کہا ہے کہ خود اسی عصر میں جس میں اجماع منعقد ہوا ہے، تن تنہا کوئی ایک مجتہد بھی حقِ استرداد (ویٹو) استعمال کرنے کا مجاز ہے، بلکہ جمہور کا مذہب ہے کہ ایسا اجماع ایک شخص کے اختلاف کر جانے کی بنا پر نہ اجماع رہیگا اور نہ حجّت ہوگا —— یہ جو ابن جریر نے کہا تھا کہ فردِ واحد کا اختلاف کوئی معنی نہیں رکھتا —— وہ ایسا کر کے امت سے خارج ہو جاتا ہے وغیرہ —— اس پر قاضی محمد بن علی شوکانی نے کہا ہے کہ:

اِنَّ الشَّذُوْذَ الْمُنْهِیَّ عَنْهُ هُوَ مَا یَشُقُّ عَصَا الْمُسْلِمِیْنَ لَا فِیْ اَحْکَامِ الْاِجْتِهَادِ

جس اختلاف کی ممانعت کی گئی ہے وہ ایسا اختلاف ہے جس سے مسلمانوں کی اجتماعی وحدت پارہ پارہ ہو جاتی ہو ــــــ لیکن اجتہادی احکام میں اختلاف کرنا اس میں شامل نہیں ہے۔ اس کی ہر مجتہد کو اجازت ہے۔ کسی غیر نبی سے اختلاف کرنا ــــــ امت سے اخراج کا موجب نہیں بن سکتا۔ ورنہ تو نبوتوں کا "تعدد" لازم آئے گا جو قرآن کی رُو سے باطل ہے۔ (ارشاد الفحول)

امام ابو اسحٰق نے ابن جریر کے نظریئے کے خلاف یہاں تک کہا ہے کہ:

اِنَّ ابْنَ جَرِیْرٍ قَدْ شَذَّعَنِ الْجَمَاعَۃِ فِیْ ھَذِہِ الْمَسْئَلَۃِ فَیَنْبَغِیْ اَنْ لَا یُعْتَبَرُ خِلَافُہٗ (ارشاد الفحول)

ابن جریر نے یہ بات کہہ کر جماعتِ علماء سے اختلاف کیا ہے، کیونکہ تمام علماء اجتہادی مسائل میں اختلاف کرنے کی گنجائش تسلیم کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کی مخالفت کر کے ابن جریر نے اپنے کو خود ہی "جماعت" سے الگ کیا ہے۔

وجہ ظاہر ہے کہ اجماع کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو اور اس کے انعقاد پر کتنے ہی دلائل سامنے کیوں نہ لائے گئے ہوں مگر اس کے بعد بھی اسکا امکان باقی رہتا ہے کہ اس اجماع کے "معارض" دلیلیں بھی موجود ہوں، جو اہل اجماع کے سامنے نہ آسکی ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ امام شوکانی اعتراف فرماتے ہیں کہ:

"تمام ائمہ اصول یہ مانتے ہیں کہ اجماع کرتے وقت جس قدر بھی دلائل سامنے آئے تھے ان کے معارض دلائل کا ــــــ موجود ہونا ممکن ہے کیونکہ یہ اجماع کرنے والے بھی انسان ہی تھے۔ انسانی مساعی میں

جو فطرتاً فروگذاشتیں ہو سکتی ہیں ان سے یہ لوگ معصوم نہیں ہو سکتے۔

(خلاصہ ارشاد الفحول)

یہی وجہ ہے کہ تنہا خلفائے راشدین کا اجماع بھی کافی نہیں سمجھا گیا کہ وہ بھی ایک تو امت کا بعض تھے، دوسرا یہ کہ وہ مجتہد بھی تھے اور ہر مجتہد متفرق دلائل و جزئیات پر نظر رکھتا ہے جو کچھ ضروری نہیں کہ سب کے دلائل یکساں اور مُجمَعٌ عَلَیہ ہوں۔۔۔۔

امام شوکانی لکھتے ہیں:

وَذَهَبَ الْجَمْهُوْرُ اَيْضًا اِلٰى اَنَّ اِجْمَاعَ الْخُلَفَاءِ الْاَرْبَعَةِ لَيْسَ بِحُجَّةٍ لِّاَنَّهُمْ بَعْضُ الْاُمَّةِ۔ (ارشاد الفحول صفحہ نمبر 29/73 تا 31)

جمہور علماء کا مذہب ہے کہ خلفائے راشدین کا اجماع ہمارے لئے حجّت نہیں ہے کیونکہ وہ اُمت کا ''بعض'' ہیں۔

حدیث سے استدلال۔ یہاں ایک حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے کہ، صحابہ کرام کا اجماع لازمی حد تک حجّت ہے چنانچہ حدیث میں کہا ہے کہ:

اَصْحَابِىْ كَالنُّجُوْمِ بِاَيِّهِمْ اقْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَ يْتُمْ

''میرے صحابہ روشن ستارے ہیں جس کی بھی اقتداء کرو گے ہدایت پاؤ گے۔''

وجہ استدلال یہ ہے کہ جب تنہا کسی ایک صحابی کی اقتداء اگر موجب ہدایت بن سکتی ہے تو جہاں چار خلفاء کا اجماع ہو تو ان کی ہدایت کیوں موجب ہدایت نہیں بن سکتی؟ اس کے جواب میں امام شوکانی فرماتے ہیں کہ:

''اس حدیث کے بارے میں یہ اعتراض مشہور ہے کہ اسکی سند میں عبدالرحیم ''العمی '' اپنے باپ سے روایت کرتا ہے کہ جبکہ باپ بیٹا دونوں ہی نہایت ضعیف درجے کے راوی تھے۔

ابن معین (848م) کہتے ہیں عبدالرحیم کذاب تھے۔

ابو حاتم (869م) اور بخاری (870م) کہتے تھے کہ عبدالرحیم متروک راوی تھے۔

اس طرح اس سند کے ساتھ یہ روایت وضعی بھی ہے اور نا قابل استدلال بھی۔ اس کی ایک دوسری سند بھی ہے جس میں حمزہ النصیبی واقع ہے، جو نہایت درجے کا ضعیف ہے۔ بخاری نے اسے بھی ''گمنام'' شخصیت کا حامل قرار دیا ہے۔

ابن معین کہتے تھے کہ لَایُسَاوِیُ فلْسًا اسکی روایت پھوٹی کوڑی کے برابر بھی نہیں ہے۔

ابن عدی (976م) فرماتے تھے ـــــ عَامَّۃَ مَروِیَّاتِہٖ مَوضُوعَۃٌ ''اسکی ہر روایت جعلی اور خود ساختہ ہے۔''

یعنی اس دوسری سند کے ساتھ بھی یہ روایت جھوٹی اور نا قابل تسلیم ہے۔

اس طرح اس کی ایک اور سند بھی ہے، جسکا ہیرو جمیل بن زید ہے، لیکن محدثوں اور رجال کے تنقید نگاروں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اس نام کا کوئی بھی شخص راوی حدیث نہیں گزرا۔ (ارشاد الفحول صفحہ نمبر 1/74 تا 6)

اجماع کی حدود۔ اجماع کی شرعی حیثیت واضح ہو چکی ہے اور جس زاویہ سے آپ جائزہ لیں اسکے دینی ماخذ بننے کے امکانات کہیں نظر نہیں آئیں گے، تاہم اگر عصرِ حاضر کے

مفتی حضرات کا بھرم رکھنے کے لئے مان لیا جائے کہ اجماع کی کچھ نہ کچھ فعال حیثیت ضرور ہے تو بھی دیکھنا ہوگا کہ کس حد تک؟ کیونکہ علی الاطلاق کوئی بھی شے نہیں ہوتی کہ اس طرح نہ صرف مولویوں کے روپ میں تازہ خداؤں کے آگے سیس نوائی کرنا پڑے گی، ان کے فاشی ذہن کی ہم نوائی بھی لازم ٹھہرے گی۔ لہٰذا اجماع کی “فعالیت”، اور غیر محدود “تاثیر” کا اعتراف نہیں کیا جاسکتا۔

امام ابن حزم لکھتے ہیں ـــــ جس کا ملخص یہ ہے کہ ـــــ اجماع شریعت بن سکتا ہے؟ اس طرح کا دعویٰ کرنا قول فاسد ہے لیکن اگر اسے مان بھی لیا جائے تو پھر بھی مدعیان اجماع کے تمام وہ مسائل باطل ہو کر رہ جاتے ہیں، جن کے لئے اجماع کی سند نہیں ملتی ـــــ انہیں چاہیئے کہ نہ تو زکوٰۃ کو ضروری سمجھیں نہ ہی نماز و حج کی فرضیت کے قائل ہوں بلکہ زنا کی برائی کو بھی برا نہ مانیں اِلّا اس صورت میں کہ ان پر اجماع ہو چکا ہو ـــــ بات خواہ کچھ بھی ہو ہمارے نزدیک ایسا آدمی دین اسلام سے بوجوہ ذیل خارج ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں اجماع ایک نیا مذہب بن جاتا ہے جسکا نہ تو خدا نے حکم دیا ہے اور نہ ہی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بلکہ خدا نے تو:

(i) اللہ، رسولؐ اور اولی الامر کے اتباع کا حکم دیا ہے۔ (اجماع کا نہیں ـــــ ط)

(ii) اس نے یہ نہیں کہا کہ اختلاف کے وقت وہی ماننا جس پر اجماع ہو چکا ہو ـــــ ایسا ماننے والا ہمارے نزدیک جھوٹا اور مفتری ہے۔

خدا تو کہتا ہے ـــــ اِتَّبِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِنْ رَّبِّکُمْ (جو کچھ قرآن میں ہے اس

کی اتباع کرو۔۔۔۔۔(الاعراف 3:7) پھر فرمایا۔۔۔۔اگر کسی بات میں جھگڑا ہو جائے تو خدا اور رسول سے رجوع کرو۔ (النساء 59:4)۔ اس لئے ہم تو خدا اور رسول کی مانیں گے خواہ اجماع ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ (المحلّی۔ طبع مصر جلد اول کتاب الاشربہ)

ابن حزم کے اس تبصرے سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک:

(i) اجماع کی تشریعی حیثیت کو تسلیم کرنا دین اسلام میں اضافہ کرنے کے برابر۔۔۔۔۔یا پھر ''خاتمیت'' رسول صلی اللہ علیہ سلم کی نفی کر دینے کے مترادف ہے۔ اور

(ii) اس کو مستلزم ہے کہ مسائل منصوصہ پر بھی اس وقت تک عمل نہ کیا جائے، جب تک ان پر اجماع نہ ہو چکا ہو۔ حالانکہ اس صورت میں فروع کو اصول پر مقدم رکھنا پڑے گا، جو بجائے خود غلط ہے!

تصریحات بالا سے آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ ''اجماع'' یا ''متفقہ فیصلہ'' کی خود علماء کی میزان میں کیا حیثیت ہے؟ جسے لے کر یہ لوگ طالبان قرآن پر طنز و تشنیع کے تیر برسائے جاتے ہیں، ان کے اپنے مبلغ علم کے حدود اربعہ یہ ہیں کہ یہ سب مل کر جسٹس منیر کے اس سوال کا جواب نہ دے سکے کہ۔۔۔۔۔''**مسلم** کی ٹیکنکل تعریف کیا ہے؟''۔۔۔۔۔

اب جو لوگ اپنی ''شناخت'' تک کو نہیں جانتے، وہ جہانِ دُنیا کو اسلام اور قرآن سے کیا متعارف کرائیں گے؟ یہ تو قرآن کا اپنا اعجاز ہے کہ یورپ والے آج بھی اپنا دھیان ادھر کو مبذول کئے ہوئے ہیں۔ اس میں ہمارے علماء کا کمال ہے نہ صلاحیت۔ ان سے تو آج بھی دریافت کیجئے کہ ۔۔۔۔۔ مسلم کی ''اجماعی'' تعریف کیا ہے تو مالدیپ سے لیکر

چیچنیا ــــــ مراکش سے لیکر انڈونیشیا ــــــ نائیجریا اور کراچی سے لیکر سنکیانگ اور منگولیا تک کوئی ایک عالم ــــــ اور صاحب جُبہ و دستار ایسا نہ ہوگا، جو اس کا متفقہ، جامع اور مثبت جواب دے سکتا ہو۔ ایسے میں ان کے حوالہ سے جو اجماع وجود میں آئے گا یا متعارف ہوگا اس کی صداقت کا بخوبی احساس کیا جا سکتا ہے۔ یہ تو وہ علماء ہیں، جو بن پڑھے دستخط کرنے کے عادی ہیں۔ ''المجیب مصیب'' ان کے سکہ بند فقرے ہیں۔ یعنی مفتی نے جو کچھ لکھا وہ برمحل اور صواب ہے۔ اس طرح کسی فتوے پر سو پچاس مولویوں کے دستخطوں کو یہ لوگ اجماع امت سے موسوم کر کے اپنی جہالت اور نادانی پر خود ہی شاھد عادل بن جاتے ہیں۔ ان لوگوں کو نہ اجماع کا پتہ ہے نہ اجماع کے اصولوں، قواعد وضوابط کا علم ــــــ بلکہ علم ان سے شرمندہ ہے، خود جہالت بھی منہ چھپائے پھرتی ہے۔

اجماع امت ــــــ براستہ سوادِ اعظم۔

ان حضرات کی پیش کردہ ایک سند یہ بھی ہوتی ہے کہ (بقول ان کے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ــــــ میری اُمت کا سوادِ اعظم کبھی گمراہی پر مجتمع نہیں ہو سکتا۔ اس لئے تم اس کا اتباع کرو ــــــ اس سے یہ دلیل لاتے ہیں کہ اُمت کی اکثریت کا جو مسلک ہو وہی سچا دین ہے۔

اس روایت پر ہم فنی بحث نہیں کرتے کہ یہ ایک بے بنیاد روایت ہے، تاہم اگر اسکا مفہوم یہی لیا جائے کہ اکثریت کا مسلک ہی سچا دین ہے، تو اس مفہوم کو بھی ہر فرقہ اپنے ہی حق میں استعمال کرتا آیا ہے۔ مثلاً حنفی کہہ رہے ہیں کہ دنیا میں اکثریت ہماری ہے، لہٰذا ہم

ہی اجماع اُمت کے لئے مطلوبہ اجتماعیت فراہم کر سکتے ہیں۔۔۔۔۔اسی طرح ان کے مخالفین اسکا مفہوم ''اکثریت'' نہیں لیتے، وہ کہتے ہیں کہ۔۔۔۔۔اکثریت پر دین کی بنیاد نہیں رکھی گئی۔ قرآن کریم اکثریت کے پیچھے چل پڑنے کو معیار صداقت نہیں ٹھہراتا۔ اسی بنا پر سواداعظم کا مفہوم ہوگا۔۔۔۔۔جو حق پرستوں کی راہ چلے گا وہ گمراہ نہ ہوگا۔۔۔۔۔اور حق پرستی نہ اکثریت سے مربوط ہے نہ قلت تعداد سے۔ اسی طرح سواداعظم متعدد مفاہیم کا متحمل ہو جاتا ہے۔ جبکہ ''احتمالی'' مفاہیم تلاش حقیقت میں کارآمد نہیں ہو سکتے۔ خاص کر جب ہر گروہ کا دعویٰ ہو کہ وہ حق پرست ہے، جبکہ گروہی اساس پر کسی دلیل کو اپنی حقانیت کی دلیل گردانے سے امت کا مفہوم محدود ہو کر اپنا وسیع تر اطلاق کھو بیٹھتا ہے کیونکہ امت کے اجتماع میں پوری امت شامل ہے۔ لہٰذا۔۔۔۔۔اہل بصیرت کے نزدیک یہ روایت مطلوبہ معیار پر پوری نہیں اترتی، نہ سند کے لحاظ سے نہ متن کے زاویہ سے۔ امام الہند ابوالکلام آزاد فرماتے ہیں:

> ''اگر حکم التزام جماعت کا مطلب یہی قرار دیا جائے کہ تمام عقائد اور اعمال و کردار میں مسلمانوں کو چاہیئے کہ سواد اعظم کی پیروی کریں ورنہ۔۔۔۔۔مَنْ شَذَّ شَذَّ فِي النَّارِ کے مستوجب ہونگے تو ظاہر ہے کہ حق و باطل، سنت و بدعت اسلام و کفر کے تمام احکام و قواعد کا خاتمہ ہو جائے گا۔ کیا ایک لمحہ کے لئے کوئی ذی عقل اس کا یہ مطلب قرار دے سکتا ہے؟

پھر کیا حکم ہوگا ان سینکڑوں مبلغین اور دعاۃ حق کا جنہوں نے ان تیرہ (یعنی چودہ ——ط) سو برسوں کے اندر باوجود کثرت شُیُوعِ فِتَن —— وَاستیلاءِ بِدَع وَ مُحْدَثَات —— وَغَلَبَۂ بَطَّلان و فَسَاد —— وَ غُربَتِ اصحاب حق —— و قلتِ مخلصین و صادقین —— سواد اعظم کی گمراہیوں کا ساتھ نہیں دیا اور راہ حق پر قائم رہے؟

کیا یہ سب حکم التزام جماعت سے باہر ہو گئے اور ان سب کی موت جاہلیت کی موت ہوئی ؟؟

پھر اگر التزام جماعت اور اتباع سواد اعظم کا یہی مطلب ہے تو ان تمام اختلافات کا کیا حکم ہوگا؟ جس میں تنہا ایک فرد کی رائے ایک طرف اور جماعت کی رائے دوسری طرف تھی؟ اور حق وثواب فرد کے ساتھ تھا، نہ کہ جماعت کے ساتھ؟ خود عہد صحابہ کے بے شمار واقعات اس کی شہادت دیتے ہیں —— جب مانعین زکوٰۃ کا سوال اُٹھا تو تمام مجمع صحابہ —— کی رائے ایک طرف تھی اور حضرت ابوبکرؓ کی ایک طرف —— یعنی سواد اعظم قتال کا مخالف تھا —— حضرت ابوبکرؓ مجبور تھے —— پھر کیا حکم لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ کی مخالفت کی تھی؟؟

کیا حکم ہوگا؟ ان افراد شواذ کا جنہوں نے مامون وواثق کے زمانے میں سواد اعظم کا ساتھ نہیں دیا اور خلقِ قرآن کے مسئلہ میں الگ رہے۔ معلوم ہے کہ سواد اعظم کے مقابلے میں امام احمد بن حنبلؒ نے کیا جواب دیا تھا؟؟

اُیْتُوْنِیْ شَیْئًا مِنْ کِتَابِ اللّٰهِ اَوْ سُنَّةِ رَسُوْلِهٖ حَتّٰی اَقُوْلُ بِهٖ

یعنی اس میدان میں معیار ردّ و قبول سواد اعظم نہیں بلکہ علم وبصیرت ہے۔

پھر اگر التزامِ جماعت کا یہی مطلب ہے تو ان حدیثوں کا مطلب کیا ٹھیرایا جائے گا جن میں صاف صاف ایسے زمانوں کی خبر دی گئی ہے، جب مسلمانوں کے سوادِ اعظم کی راہ گمراہی کی راہ ہو گی اور اصحاب حق قلیل و اقل ہونگے؟

غربت ثانیہ والی حدیث تو کبھی نہ کبھی آپ کے کانوں میں پڑی ہو گی: بَدَأَ الْاِسْلَامُ غَرِيبًا كَمَا بَدَىٰ فَطُوبٰى لِغُرَبَاءِ اسی میں ہے ——قُلْنَا وَمَا الْغُرَبَاءُ قَالَ قُوْمٌ صَالِحٌ قَلِيْلُوْنَ فِيْ نَاسِ سَوْءٍ كَثِيْرٍ مَّنْ يَعْصِيهِمْ اَكْثَرَ مِمَّنْ يُّطِيْعُهُمْ ——یعنی صحابہ نے سوال کیا، غربا سے مقصود کون لوگ ہیں؟ جن کیلئے فَطُوبٰى لِغُرَبَاء—— کی بشارت ہوئی؟ فرمایا صالح لوگوں کا ایک گروہ، برے لوگوں کی کثرت میں تھوڑے سے آدمی۔

غور کیجیے وہ سوادِ اعظم والی کیا بات ہوئی؟ اس سے تو معلوم ہوا کہ مسلمانوں پر ایک وقت ایسا آئے گا جب حق سوادِ اعظم کے ساتھ نہ ہو گا بلکہ قُوْمٌ صَالِحُوْنَ قَلِيْلٌ فِيْ نَاسِ سَوْءٍ كَثِيْرٍ کے ساتھ ہو گا۔

اسی طرح مسلم کی مشہور حدیث لَاتَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِيْ ظَاهِرِيْنَ عَلَى الْحَقِّ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ......الخ، میں اصحاب حق و صواب کو "طائفة" سے تعبیر فرمایا ——یعنی سواد اعظم کے مقابلہ میں ایک چھوٹی سی ٹکری——اور

اسی طرح شیخینؓ کی مشہور حدیث میں خبر دی کہ:

"جب مسلمانوں کا کوئی امام نہ رہیگا اور لوگ طرح طرح کی ٹولیوں میں بٹ جائیں گے تو ـــــ فَاعْتَزِلْ تِلْکَ الْفِرَقَ کُلَّهَا وَلَوْاَنْ تَعِضَّ اَصْلَ شَجَرَةٍ ـــــ اگر درخت کے پتے چبا کر جینا پڑے جب بھی ان ٹولیوں کا ساتھ نہ دو، ان سب سے الگ ہو جاؤ۔" ـــــ

اب بتایئے سوادِ اعظم یہاں کہاں رہا؟

(امام الہند بحوالہ "صدق جدید" مطابق 9۔ اپریل 1954ء طبع لکھنؤ)

امام الہند کے تناظر میں "اجماع" بواسطہ "سوادِ اعظم" نہ کبھی منعقد ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے اور نہ کبھی ہو گا۔ لہٰذا اسکی دہائی دے کر نہ تو یتیم پوتے کو محروم کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی عقیدہ اور نظریہ تبدیل کرنے والے کو سزائے موت دی جا سکتی ہے، اور نہ حاملین اجماع کو زیب دیتا ہے کہ اسکی دہائی دیکر سرسیّد (1898ء) علیہ الرحمۃ اور آپ کے رفقائے محترم کے خلاف کسی طرح کی محاذ آرائی جاری رکھیں۔ اخلاقی حدود و قیود کو ملحوظ رکھنا خاصۂ انسانیت ہے۔

(تمت)

معزز قارئین کرام! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ!

اس کتاب کے مطالعہ کے لیے وقت نکالنے پر ہم آپ کے تہہ دل سے مشکور ہیں۔ ہمیں آپ کے تاثرات اور تجاویز کا انتظار رہے گا۔ رب العزّت کے حضور آپ کی صحت، سلامتی اور خوشگوار زندگی کے لئے دعا گو۔

انتظامیہ۔ سرسید میموریل لائبریری۔ باغبان پورہ، لاہور پاکستان۔

sirsyedmemlib@hotmail.com Phone: 03004280241

اشاریہ

انتساب۔ 03
معذرت۔ 04
رحمت اللہ طارق (فوٹو) 05
اسلام میں عقل و شعور کی بنیادی اہمیت۔ 06
عقل ترقی پذیر ہے اور وحی ترقی یافتہ۔ 06
اجماع نہ دین ہے اور نہ اس میں دین بننے کی صلاحیت ہے۔ 07
سابقہ اجماع کو قبول کریں، چاہیں تو نیا اجماع منعقد کر لیں۔ 07
تکمیلِ دین اور اجماعِ اُمت۔ 08
اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ ..... (المائدہ3:5) 08
اجتہاد---زندہ قوموں کا ہتھیار ہے۔ 08
اجماع کی حجّیت پر قرآنی دلائل۔ 09
شعور اور ”وحی قرآن“۔ 09
پہلی دلیل۔ 09
لیکن یہ استدلال ہی مفلوج ہے۔ 09
دوسری دلیل۔ 10
تبصرہ: آیت کا لہجہ ---- محض خبریہ ہے۔ 10

اجماع کی حیثیت صفر کے برابر ہو جاتی ہے۔ 11
تمام امت ہی مراد ہے خاص کر مجتھدین نہیں۔ 11
معاذ بن جبلؓ ---ثُمَّ اجْتَهِدُ بِرَاْیٍ۔ 11
علماء عام لہجے سے ''اجماع'' کا خصوصی استنباط کر لیتے ہیں۔ 12
تیسری دلیل۔ 13
تبصرہ: 14
ہمیں تو اپنے دور کیلئے، اور اسی دنیا میں راہنمائی چاہئے۔ 14
یہ حق صرف اور صرف شارع علیہ السلام کا ہے۔ 15
اندھوں کے ہاتھ میں اگر اجماع کی ''چھڑی'' تھمادی جائے؟ 16
یہ لوگ اجماع کی ابجد تک سے نا آشنا ہیں۔ 17
کیا اجماع میں دین بننے کی صلاحیت ہے ؟ 17
کیا اجماع کیلئے مستند ہونا ضروری ہے ؟ 18
اجماع میں صحابہؓ کا رول۔ 19
امام ابوحنیفہؒ کا فرمان۔ 20
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن کارانہ عمل۔ 20
حکمرانی کا حق صرف قریش کو پہنچتا ہے؟؟؟ 21
......اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُھَا عِبَادِیَ الصَّالِحُوْنَ۔ 21
موروثیت کے بارے میں علیؓ اور معاویہؓ یکدائے تھے۔ 22

اجماع امت کی شرعی حیثیت۔ 23

جن وانس مل کر بھی مثل قرآن ہرگز نہ بنا سکیں گے۔ 23

اجماع کتاب وسنت کے خلاف منعقد نہیں ہوسکتا۔ 24

’’جہاں تک مجھے معلوم ہے‘‘ سے اجماع کا استدلال؟ 24

امام شافعیؒ اور امام مالکؒ۔ 26

اہل بدعت کا اجماع۔ 27

محدثین اور فقہاء کی اجماع پسندی محض اپنے اساتذہ کے بھرم کیلئے۔ 28

اور وجہ یہ کہ یہ لوگ ہمارے بزرگوں کی تکفیر کرتے ہیں۔ 29

تبصرہ: 29

قرآن، جو تمام تر ’’بزرگیوں‘‘ کا ماخذ ہے۔ 30

اَلسُّنَّةُ قَاضِيَةٌ عَلَى الْكِتَاب۔ (اَسْتَغْفِرُاللّٰه) 31

اجتہاد اور اجماع میں فرق۔ 31

اجماع کب حجت ہوسکتا ہے؟ 32

مدعیان اجماع اور یتیم پوتے کی محرومی اور قتل مرتد۔ 33

اختلاف قراءات اور اجماع 34

اجماع سکوتی 35

یہ اجماع تو ہے مگر حجت نہیں ہے۔ 36

اجماع کی توانائی کتنی ڈگری کی ہو؟ 37

اجماع —— ظنی حجّت ہے، اسکے منکر کو کافر نہیں کہا جاسکتا۔ 39

اجماع کی حجّیت میں اختلاف ہے۔ 39

کتاب و سنت سے تمسک کرنے والوں کی تکفیر نہیں کی جاسکتی۔ 39

بعد کے عصر میں..... اجماع سابق..... کی مخالفت کی جاسکتی ہے ؟ 40

اجماع ”ویٹو“ ہوسکتا ہے۔ 41

معارض دلائل کا —— موجود ہونا ہمیشہ ممکن رہتا ہے۔ 42

حدیث سے استدلال۔ 43

اجماع کی حدود۔ 44

اللہ، رسولؐ اور اولی الامر کے اتباع کا حکم ہے، اجماع کا نہیں۔ 45

اجماع کی تشریعی حیثیت تسلیم کرنا دین اسلام میں اضافہ کے برابر۔ 46

اجماع کی تشریعی حیثیت تسلیم کرنا ختم نبوت کی نفی کے مترادف ہے۔ 46

اب جو لوگ اپنی ”شناخت“ تک کو نہیں جانتے۔ 46

وہ جہانِ دُنیا کو اسلام اور قرآن سے کیا متعارف کرائیں گے؟ 46

علم ان سے شرمندہ اور جہالت منہ چھپائے پھرتی ہے۔ 47

اجماع امت —— براستہ سوادِ اعظم۔ 47

تمام مجمع صحابہؓ کی رائے ایک طرف تھی اور حضرت ابوبکرؓ کی ایک طرف۔ 49

امام الہند کے مطابق ”اجماع“ بواسطہ ”سواد اعظم“ منعقد نہیں ہوتا۔ 51

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مشمولاتِ قرآنِ عظیم

* * *

میجر جنرل محمد نواز ملکؒ

* * *

Free E-BOOK

* * *

سر سیدؒ میموریل لائبریری، باغبان پورہ، لاہور

درج ذیل کتب کم قیمت پر دستیاب ہیں

☆ قرآن کا معاشی نظریہ	(رحمت اللہ طارق)
☆ قربانی کی شرعی حیثیت	(رحمت اللہ طارق)
☆ قتل مرتد کی شرعی حیثیت	(رحمت اللہ طارق)
☆ زمینداری جاگیرداری اور اسلام	(رحمت اللہ طارق)
☆ لباس اور چہرہ کیسا ہونا چاہئے؟	(رحمت اللہ طارق)
☆ تفسیر منسوخ القرآن	(رحمت اللہ طارق)
☆ تفسیر برہان القرآن	(رحمت اللہ طارق)
☆ تفسیر میزان القرآن	(رحمت اللہ طارق)
☆ دانشوران قرآن	(رحمت اللہ طارق)
☆ ہمارے دینی علوم	علامہ حافظ محمد اسلم جیراجپوری
☆ عیسیٰؑ ابن مریمؑ	محمد عصمت ابو سلیم
☆ شہادت الفرقان علیٰ جمع القرآن	شیخ عطاء اللہ

sirsyedmemlib@hotmail.com

+92 03004280241 (24/7)

سر سیدؒ میموریل لائبریری۔ باغبانپورہ، لاہور، پاکستان۔